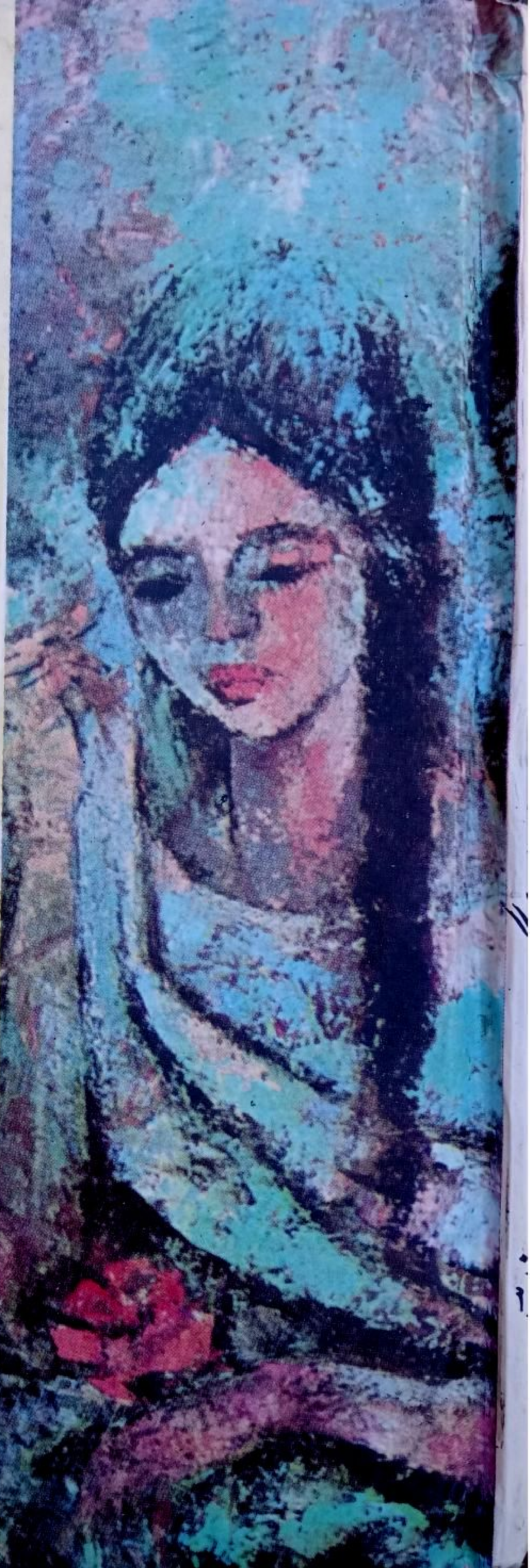
خلش ہمدانی

بات چھپائے گوری

محبت اور انسانی جذبوں
کی سچی داستان



خلش ہمدانی

بات چھپائے گوری

(ناول)

کلاسیک لاہور

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

ناشر : آغا امیر حسین

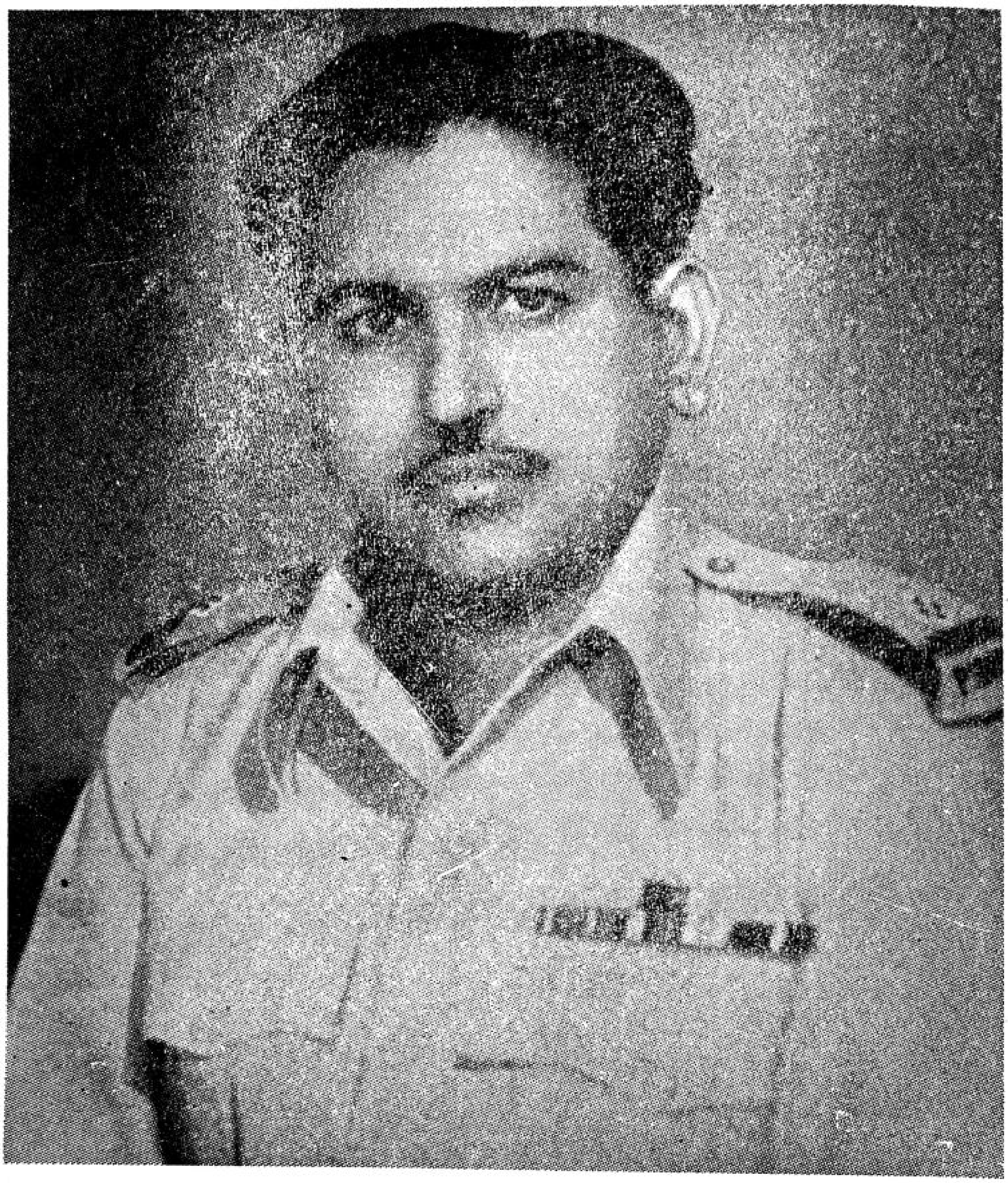
کلاسیک - ۲۴ - دی مال - لاہور

فون : ۶۱۸۳۰ ، ۳۱۲۹۷۷

طابع : نفیس پرنٹرز لاہور

بار اوّل جولائی ۱۹۹۱ء

قیمت



احمد الطاف

خلش ہمدانی

ونده شاه بلاول (چکوال) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ونده شاه بلاول، لاوه اور میانوالی میں حاصل کی۔ ۱۹۵۱ء میں افواج پاکستان میں کمیشن لیا۔ اور ۱۹۶۷ء تک فوج سے منسلک رہے۔

۱۹۶۴ء میں پشاور یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۷۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری لی۔ اس وقت سے لے کر اب تک ڈسٹرکٹ کورٹس اٹک میں پریکٹس کرتے ہیں۔

۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۲ء تک حلقہ ارباب ذوق پشاور کے جنرل سیکرٹری رہے۔

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

خلش ہمدانی کی سادہ، بے لوث، بے تکلف، اور بے تصنع فنکاری کو مصلحت کا پردہ ڈالنے کی عادت نہیں۔ انہیں قاری کی خوشنودی سے زیادہ عزیز بات یہ ہے کہ وہ زندگی کو اس کے اصل روپ میں ہمارے سامنے پیش کریں، یہ روپ خواہ کتنا ہی وحشیانہ اور سفاکانہ ہی کیوں نہ ہو۔

پروفیسر سید وقار عظیم

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

خلش ہمدانی نے اپنی بیشتر تحریروں میں معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ انہوں نے غم و الم میں ڈوب کر بہت ہی ظالمانہ اور قابل نفرت چیزوں کا گہرا مشاہدہ کیا ہے اور پھر انہی تجربات اور مشاہدات کو انہوں نے نہایت ایمانداری اور خلوص کے ساتھ اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے۔ ان کی یہ کوشش معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کرنے میں ایک گہرے فنی شعور کی حامل ہے۔

وہ جن لوگوں کے درمیان رہتے ہیں ان کے آلام و مصائب کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے مسائل کو سمجھنے کے لئے ان کی روح ان کچلے ہوئے انسانوں کے زیادہ قریب ہے۔

زیر نظر کتاب میں انہوں نے ایک ایسے ہی بھیانک سماجی مسئلہ کی طرف معاشرے کی توجہ مبذول کرائی ہے جو ہم سب کو دعوت فکر دیتی ہے۔

آغا افتخار یوسف زئی

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

خلش صمدانی کی دوسری تصنیف

۱ - خون میں ڈوبے تو سحر دیکھیں	ناول
۲ - روئے دکھ کا ساگر	ناول
۳ - تنویر لہو کی	ناول
۴ - آگ اور خون کا دریا	رپورتاژ
۵ - بات چھپائے گوری	ناول

ایک کار میرے پاس ایک دھچکے سے آکر رُکی۔ بریکوں کی خوفناک چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ اُس کار میں ایک مرد اور ایک خاتون فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ یہ تو کوئی آدمی مرا پڑا ہے۔ عورت نے مرد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

وہ مرد گاڑی سے اُتر کر میرے قریب آیا۔

او۔ نو۔ ہی۔ از ناٹ۔ ڈیڈ۔ بٹ ڈیڈ ڈرنک۔ اُس خوش پوش مرد نے کہا۔

کوئی کھاتے پیتے گھر کا آدمی ہے۔ دیکھو کتنا اچھا سوٹ پہنے ہوئے۔ اس خاتون نے قریب آکر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

اُس مرد نے اس خاتون کو کہا۔ "تم اسے ٹانگوں کی طرف سے پکڑو۔ تاکہ اسے اُٹھا کر گاڑی میں ڈال لیں۔ یہاں یہ بےچارہ سردی سے ہی ٹھٹھر کر مر جائے گا۔ نمونیہ ہو جائے گا اسے۔"

اُن دونوں نے مجھے اُٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا اور گاڑی چل دی۔ تھوڑی ہی دور ان کا بنگلہ تھا۔ گاڑی پورچ میں جا کر رُکی۔ اس آدمی نے ایک لمبا سا ہارن بجایا۔ ایک جوان آدمی بھاگتا ہوا آیا۔ ان دونوں نے مل کر مجھے گاڑی سے باہر نکالا اور پھر وہاں سے اُٹھا کر اندر کمرے میں لے گئے۔ وہ خاتون ہم سے پہلے اندر چلی گئی تھی۔ میرے ہوش و حواس ٹھیک تھے۔ لیکن نشے کی وجہ سے اس قدر غنودگی چھائی ہوئی تھی کہ میں دو چار سیکنڈ کے لیے آنکھیں کھولتا اور بند کر لیتا۔ ایک الگ کمرے میں اس خاتون نے میرے لیے بستر لگایا تھا۔ ان دونوں آدمیوں نے مجھے اُٹھا کر اس بستر پر ڈال دیا۔ اور پھر اس خاتون نے رضائی مجھ پر ڈال دی۔ اُس مرد کے کہنے پر وہ

عورت ایک الیکٹرک (ELECTRIC) ہیٹر لے آئی۔ اور میری چارپائی کے قریب رکھ کر اُسے جلا دیا۔ وہ آدمی کوئی ڈاکٹر تھا چونکہ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اپنا ایتھشسکوپ لے کر میرا معائنہ کرنے لگ گیا۔ اُس نے اچھی طرح سے چیک اپ کیا اور پھر اس خاتون کو مخاطب ہو کر کہنے لگا نو۔ ڈینجر (NO DANGER) یعنی کوئی خطرے کی بات نہیں ہے اور پھر وہ لائٹ آف کر کے دونوں اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر سوٹ پہنے ہوئے جوتوں سمیت ایک صاف ستھرے بستر پر پڑا سو رہا تھا۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو روشندان سے سورج کی سنہری کرنیں سامنے والی دیوار کو جگمگا رہی تھیں۔ میں چونکہ رات کو اچھی طرح سویا تھا اس لیے موڈ اچھا خاصا خوشگوار تھا۔ میں ان سنہری جھلملاتی ہوئی کرنوں کی دلفریبی میں کھویا ہوا تھا کہ آہستہ سے درمیان والا دروازہ کھلا اور وہ خاتون شب خوابی کے لباس میں ملبوس میرے لیے بیڈ ٹی (BED TEA) لے کر آئی۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ میں رات والے واقعہ سے بیحد شرمندہ تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اور اپنی نظریں شرم کے مارے جھکا لیں۔

کیوں جناب! آپ اتنی پیتے ہیں کہ فٹ پاتھ پر گر جاتے ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میڈم! میں نے کبھی پی نہیں۔ رات کو میری شامت آئی اور دوستوں نے زبردستی پلا دی۔

میں نے پہلی دفعہ اس خاتون کو قریب سے دیکھا۔ وہ بلا کی حسین عورت تھی۔ کالے رنگ کے لباس میں وہ اور بھی خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کے خدوخال بالکل یونانی تھے۔ ایسے خدوخال جو کسی بھی مصوّر کے شاہکاروں کا موضوع ہو سکتے ہیں۔ مگر حقیقی زندگی میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ اس کی آنکھیں بڑی دلفریب تھیں۔ ان میں بلا کی گہرائی تھی۔ اور ان میں ہمالیہ کی جھیلوں کی نیلاہٹ سمٹ کر آ گئی تھی۔ اگر آپ کو وہ کہیں غیر متوقع طور پر مل جائے جیسے مجھے ایک حادثہ کے نتیجے کے طور پر ملی تو آپ کو فوراً یہ خیال گزرے گا کہ شاید روم کی دیوی ڈیانا آسمان کی بلندیوں سے ہمیں مسحور کرنے

کے لیے زمین پر اُتر آئی ہے۔
وہ مجھ سے باتیں کر رہی تھی کہ وہ مرد فوجی وردی میں ملبوس اندر داخل ہوا۔ وہ لیفٹننٹ کرنل تھا۔ اس نے آرمی میڈیکل کور کا بیج لگا رکھا تھا۔ مَیں نے اسے فوجی وردی میں ملبوس دیکھا تو میرا تو خون ہی خشک ہو گیا۔
سعید تم تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ یہ ناشتہ کرلیں پھر ان کو بھی ساتھ لے جانا۔ یہ جہاں کہیں اِن کو وہاں ڈراپ کر دینا۔
ٹھیک ہے مَیں ڈرائنگ روم میں بیٹھتا ہوں جب یہ ناشتہ کرلیں تو مجھے بتا دینا۔
بہت اچھا۔ مَیں سرونٹ سے کہتی ہوں کہ وہ ہم دونوں کا ناشتہ لگا دے۔
اس خاتون نے اور مَیں نے ڈرائنگ روم میں اکٹھا ناشتہ کیا۔ وہ بات بات پر ہنس پڑتی اور ہر طرف پھول کھِل اُٹھتے۔ وہ خاتون کوئی تیس بتیس کے پیٹے میں ہوگی۔ اس کا میاں البتہ اس سے سات آٹھ سال بڑا ہو گا۔ میری عمر اس وقت اٹھائیس سال کے لگ بھگ تھی۔
اس کے خاوند نے آواز دی۔
بھئی جلدی کرو میرا آفس کا ٹائم ہو رہا ہے۔
تم چلے جاؤ۔ مَیں ان کو چھوڑ آؤں گی۔
پھر مجھے گاڑی واپس بھیجنی پڑے گی۔
بھیج دینا ویسے بھی گاڑی مجھے چاہیئے تھی۔ مَیں نے بازار جانا ہے۔
تمہاری مرضی۔ لیکن تمہارے گیسٹ (GUEST) نے اگر کام پر جانا ہوا تو پھر کیا ہو گا۔
چلا جائے گا۔ یہ جہاں کہے گا مَیں اس کو وہاں چھوڑ آؤں گی۔
وہ صاحب اپنی ٹوپی اور چھڑی اُٹھائے باہر پورچ میں آ گئے۔ چونکہ مجھے بھی جانے کی جلدی تھی۔ اس لیے مَیں بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس خاتون نے مجھے بازو سے پکڑ کر بیٹھنے

کے لیے اصرار کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ وہ کہنے لگی سعید کی یہی بات مجھے سخت ناپسند ہے۔ یہ اب تک مجھ پر بھروسہ نہیں کرتا۔ نہ جانے اسے کیا شک پڑا ہوا ہے۔ عورت کوئی میٹھی گولی تو نہیں کہ جو چاہے گا اُسے ہڑپ کر لے گا۔ عورت اگر چاہے تو وہ بھرے ہوئے دریاؤں کی شوریدہ لہروں پر کچے گھڑے کے سہارے بھی کود پڑتی ہے اور اگر اس کی مرضی نہ ہو تو بڑے سے بڑا شہزور اور طاقتور مرد بھی اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ یہ موضوع کافی دلچسپ تھا۔ لیکن مجھے دفتر جانے کی جلدی تھی۔ میرا رویہ اس خاتون کے لیے کوئی زیادہ حوصلہ افزا نہ تھا۔ اس لیے اس نے پسپائی اختیار کر لی۔ شاید وجہ یہ ہو کہ وہ سمجھتی تھی کہ نہ وہ سوہنی ہے اور نہ میں مہینوال۔

ڈرائیور گاڑی جلدی لے آیا۔ ہم دونوں گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے۔ اور گاڑی شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم جہلم کے بازار میں جا پہنچے۔ اس نے اپنے لیے کچھ چیزیں خریدیں اور پھر مجھ سے کہنے لگی۔ آپ کو کیا خرید کر دوں۔

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ محترمہ! بہت شکریہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی پہلے ہی کچھ کم مہربانیاں ہیں مجھ پر۔

نہیں جناب! یوں تو اچھا نہیں لگتا۔ میں نے اپنے لیے چیزیں خریدی ہیں تو آپ بھی تو کچھ لیں۔ پے منٹ میں کروں گی۔

پے منٹ کی بات نہیں جناب۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

چھوڑیئے بھی تکلف کو۔ اور پھر وہ مجھے کپڑے کی ایک دکان میں لے گئی۔

آپ نے جو سوٹ پہن رکھا ہے۔ یہ خراب ہو گیا ہے۔ اسے اب ڈرائی کلین کے لیے آج ہی دے دیں۔ نیا سوٹ آج ہی ٹیلر کو دیں۔ بلکہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اور ٹیلر کو کہوں گی کہ وہ یہ سوٹ جلد تیار کر دے۔

نہیں میڈم اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے جھجکتے ہوئے اس سے کہا کہ مجھے جلدی دفتر جانا ہے۔ میری تو غیر حاضری لگ چکی ہو گی۔ مجھ پر تو بڑا سخت ایکشن ہو گا۔ اور پھر ہم وہ کپڑے ٹیلر کو دیے بغیر واپس چلے گئے۔

آپ کس دفتر میں کام کرتے ہیں۔
جناب میں فوجی سپاہی ہوں۔
آفیسر ہیں آپ ؟
جی نہیں۔
تو پھر کیا ہیں ؟
میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر ہوں۔
آپ بتلاتے ہوئے شرماتے کیوں ہیں۔ یہ تو قسمت کی بات ہوتی ہے۔ آپ ان سب سے اچھے ہیں۔ شاید اُس نے میرا حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ کہا۔
اس نے زبردستی مجھے ایک گرم سوٹ، قمیص، ٹائی، اعلیٰ قسم کا جوتوں کا ایک جوڑا۔ ٹاول بنیائیں، ٹائیلٹ کا کچھ سامان خرید کر دیا۔ پیک کروایا اور پھر خود ہی اُٹھا کر باہر لے آئی۔ ڈرائیور کو آواز دی اور وہ سامان اس کے حوالے کر دیا۔
آپ کی کون سی یونٹ ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔
ایئر سپورٹ سگنل یونٹ
جس کا آفیسر کمانڈنگ میجر ظہور الحق ملک ہے۔
جی ہاں۔
میں ابھی ان سے ٹیلی فون پر بات کرتی ہوں اور پھر وہ مجھے ساتھ لے کر ایک دکان کے اندر ٹیلی فون کرنے چلی گئی۔ اس نے ٹیلی فون ایکسچینج سے ہماری یونٹ کا نمبر مانگا۔
ہیلو کون صاحب ہیں۔ میجر ملک صاحب ہیں۔ ان کو ٹیلی فون دیں۔
ہیلو ملک صاحب کیا حال ہے آپ کا۔ میں زاہدہ حنا بول رہی ہوں۔ جی ہاں ٹھیک ہوں۔ آپ خیریت سے ہیں۔
دیکھیے آپ کی یونٹ کے احمد صاحب کو کل رات کسی موٹر والے نے ہماری کوٹھی کے قریب ٹکر ماری ہے۔ یہ گر گئے اور فینٹ (FAINT) ہو گئے۔ ہمارے نوکر نے مجھے

بتایا۔ میں ان کو اٹھوا کر اندر لے آئی۔

اب یہ ٹھیک ہیں۔ کوئی زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ ان کو فسٹ ایڈ رات کو کرنل صاحب نے دے دی تھی۔ اب میں تھوڑی دیر کے بعد ان کو ناشتہ کروا کر آپ کے پاس چھوڑ جاؤں گی۔

جی ہاں۔ آپ نے بجا فرمایا۔ آپ کو ضرور تشویش رہی ہوگی کہ کہیں دریا میں نہاتے ہوئے ڈوب گئے ہوں گے۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں ہم آپ کے پاس آجائیں گے۔

اب تو ٹھیک ہے نا۔ میں نے آپ کے آفیسر کمانڈنگ کو بتا دیا ہے۔

شکریہ۔

ہم بازار سے واپس ان کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ ڈرائیور سامان اُٹھا کر اندر لے گیا۔ میں کار ہی میں بیٹھا رہا۔ وہ خاتون پورچ میں آکر مجھ سے کہنے لگی۔

آپ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔

کیا کروں۔

آپ اندر آجائیں۔

نہیں میڈم مجھے پہلے ہی بڑی دیر ہوگئی ہے۔

میں نے میجر ملک کو آپ کے متعلق تفصیل سے بتا دیا ہے۔

یہ تو نہیں کہا کہ میں آج دن بھر نہیں آؤں گا۔

اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے اندر لے گئی وہ ڈرائنگ روم میں صوفہ سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھ گئی اور پھر اس نے نوکر کو آواز دی۔

عارف ادھر آؤ۔

جی بیگم صاحبہ۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بڑے ہی مودبانہ انداز میں اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

غسل کے لیے گرم پانی باتھ روم میں رکھو۔

بہت اچھا بیگم صاحبہ۔ اور پھر وہ جلدی سے واپس چلا گیا۔
آپ ایسا کریں یہ کپڑے اب اُتار دیں۔ غسل کر کے کپڑے بدل لیں پھر میں آپ کو چھوڑ آتی ہوں۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے کیمپ میں جا کر یہ سب کچھ کر لوں گا۔
نہیں یہاں سے ان میلے کپڑوں میں آپ کیسے جائیں گے۔
ہم ایک دوسرے سے کچھ ذاتی باتیں محض آگاہی کے لیے پوچھ لیں۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

پوچھ لیں، اس میں کیا حرج ہے۔
لیکن چھوڑیئے یہ باتیں بڑی تفصیل طلب ہوتی ہیں۔ اگلی سیٹنگ (SITTING) تک یہ اُٹھا رکھتے ہیں۔ اب میں آپ کو صرف اپنا نام بتائے دیتی ہوں تاکہ آپ مجھے بار بار بیگم صاحبہ یا میڈم کہہ کر نہ بلاتے رہیں۔ میرا نام زاہدہ حنا ہے۔ میں کرنل سعید کی دوست ہوں۔
آپ نے ٹھیک کہا یہ باتیں تفصیل طلب ہیں۔ پھر کسی فرصت کے وقت ڈسکس (DISICUSS) کر لیں گے۔
عارف نے آکر بتایا کہ غسل تیار ہے۔ حنا اُٹھ کر اندر گئی۔ میرے لیے ایک لٹھے کی شلوار اور بوسکی کی قمیض لے کر آگئی۔ عارف سے کہا
بابا ایک نیا ٹاول (تولیہ) اور صابن بھی رکھ دو۔ بڑا صاف ستھرا غسل خانہ تھا۔ ہم نچلے درجے کے فوجیوں کو اسی طرح کی سہولتیں کہاں میسر تھیں۔ حنا نے عارف کو کہا کہ صاحب کے بوٹ بھی صاف کر دو اور ان کے لیے کرنل صاحب کی جرابوں میں سے ایک صاف دُھلا ہوا جوڑا جراب بھی لے آنا۔ میں غسل کر کے باہر آیا تو سب چیزیں بڑے سلیقے سے تیار رکھی تھیں۔
حنا مجھے پکڑ کر اپنے سنگھار میز پر لے گئی اور بالوں پر لگانے والی کریم دی۔ میں بالوں میں کنگھی کر کے باہر آیا تو بڑا فریش (FRESH) محسوس کر رہا تھا۔ حنا نے میرا

سوٹ ایک کپڑے میں بندھوا رکھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

حضور! میرے سوٹ کا یہ حشر؟

اسے اب جاتے ہوئے ڈرائی کلین والے کو دے کر جائیں گے۔ میں ان سے کہوں گی کہ وہ اسے کل تیار کر دیں۔ میرا خیال ہے نیا سوٹ بھی ٹیلر کو دیتے آئیں گے۔

جیسے آپ کی مرضی۔

ہم بیٹھے تھے کہ عارف چائے لے آیا اور ہم نے چائے کا ایک ایک کپ پیا اور پھر جانے کی تیاری کرنے لگ گئے۔ ڈرائیور پورچ میں گاڑی لے آیا تھا۔ ہم اس میں بیٹھ گئے۔ صبح جب شہر گئے تھے تو میں فرنٹ سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اب حنا نے مجھے اپنے ساتھ پیچھے بٹھا لیا۔ جیسے صدیوں کا ان جانی راہوں کا سفر ہم نے طے کر لیا ہو۔ اور ہم میں جو اجنبیت تھی وہ دور ہو گئی ہو۔ میں جس دیہاتی معاشرے کا فرد تھا اس میں ہم کسی غیر عورت کے ساتھ یوں نہیں بیٹھتے کہ دونوں کا جسم آپس میں مَس کرے۔ لیکن میرا خیال ہے حنا کو اس بات کا کوئی احساس ہی نہ ہوا ہو گا۔

ہم جلد ہی شہر پہنچ گئے۔ حنا نے گاڑی سے اتر کر ڈرائی کلین والے کو میرا سوٹ دیا اور اس سے پرچی لے کر واپس آ گئی۔ پھر ٹیلر کی ایک بڑی سی دکان پر گئے۔ حنا نے وہ سوٹ کا کپڑا بڑے ماسٹر کو دیا۔ اس نے میرا ماپ لے لیا اور ایک ہفتے کے بعد سوٹ دینے کا وعدہ کیا۔ واپس آنے سے پہلے حنا نے میرے لیے کچھ پھل، بسکٹ کے دو ڈبے لیے اور پھر ہم واپس چھاؤنی کی طرف چل پڑے۔

٭٭٭

اب آپ کو مجھے بتانا پڑے گا کہ آپ کی یونٹ کس طرف ہے۔ حنا نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بڑا آسان ہے۔ ہیڈ پوسٹ آفس کے ساتھ مغرب کی طرف پہلی سڑک جو دریا کی طرف مڑتی ہے۔ اس پر بائیں ہاتھ پر پہلی یونٹ ہماری ہے۔ وہاں سنتری کھڑا ہوتا

ہے جو ہر اجنبی کو روکتا ہے۔

ڈرائیور کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ یہ جگہ ان کی کوٹھی سے کوئی زیادہ دور نہ تھی۔ جونہی کار ہیڈ پوسٹ آفس سے ملحقہ سڑک پر مڑی۔ سنتری نے گاڑی کو روکا۔ میں نے سر باہر نکالا۔ سنتری نے مجھے دیکھا تو سیلوٹ کیا اور جانے کا اشارہ کیا۔ پوسٹ آفس کی دیوار کے ساتھ پہلا میرا اپنا ٹینٹ تھا۔ میں نے گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ سامنے ہی میرا اردلی اللہ یار خاں بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو خوشی کے مارے دوڑتا ہوا آگیا اور مجھے گلے لگالیا اور کہنے لگا۔

نیک بخت آدمی ہم سب رات بھر کتنے متفکر رہے۔ شہر میں سب جگہوں پر آپ کو تلاش کر آئے۔

یہی ڈر تھا کہ آپ دریا میں دور دور تک تیرتے رہتے ہیں۔ خاکم بدہن "کہیں ڈوب نہ گئے ہوں۔" میجر صاحب نے پوری یونٹ کو رات بھر دریا کے کناروں پر دور دور تک آپ کی تلاش میں لگا رکھا۔

لیکن اللہ یار تمہیں تو پتہ تھا میں سوٹ پہن کر شہر گیا تھا۔

حنا کو میں نے بتایا کہ یہ میرا ٹینٹ ہے میں اس میں رہتا ہوں۔ آپ اگر کبھی آئیں تو سنتری کے پاس گاڑی روک لیں اور اسے کہیں کہ وہ مجھے بلا کر لے جائے۔

کیوں میں اندر نہیں آسکتی۔

حضور والا! لیڈیز کو فوج کی بیرکوں یا ان کے کیمپوں میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

شام کو تم کس وقت آرہے ہو۔

آج تو آنا مشکل ہے۔

کیوں کیا مشکل ہے؟

ابھی آپ کے جانے کے بعد انکوائری شروع ہو جائے گی۔" میں کہاں گیا تھا۔ کیوں گیا تھا۔ کس سے پوچھ کر گیا تھا۔" وغیرہ وغیرہ

اچھا آپ پر بھی اس قدر پابندیاں ہیں؟

کیوں حضور میں فوجی سپاہی نہیں ہوں۔ مجھ پر فوجی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔

اچھا آپ یہ بتائیں، آپ کب آئیں گے۔

حنا اوقاتِ کار میں تو آنا مشکل ہے۔

آپ کو اوقاتِ کار میں آنے کے لیے کس نے کہا ہے۔ آپ شام کو آرام سے آ جائیں۔

شام کو وہاں کرنل صاحب ہوں گے۔

کرنل صاحب ہوں گے تو کیا ہوگا۔ وہ آپ کو کیا کہیں گے۔

انہیں میرے آنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

وہ کون ہوتا ہے اعتراض کرنے والا۔ آپ مجھ سے ملنے آئیں گے۔ کرنل سے تو نہیں۔

آپ ان کی بیگم ہیں۔ انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی غیر مرد کو آپ سے یوں کھلے بندوں نہ ملنے دیں۔

میں نے آپ کو پہلے بتا دیا ہے کہ میں کرنل کی اس قدر پابند بھی نہیں۔ وہ کون ہوتا ہے میرے معاملات میں مداخلت کرنے والا۔

لیکن اگر وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو میرے لیے تو اچھی خاصی پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔

اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔

حنا آپ نہیں سمجھتی۔ میں بہت چھوٹا آدمی ہوں۔ ان کرنیلوں، جرنیلوں کا ایک دھچکا بھی برداشت نہ کر سکوں گا۔

آپ ڈریں نہیں۔ یہ باتیں ہم بعد میں ڈسکس (DISCUSS) کریں گے میں ابھی جاتی ہوں۔

☆~☆

حنا گاڑی لے کر واپس چلی گئی اور اللہ یار خاں میرا سامان اُٹھا کر ٹینٹ کے اندر لے گیا۔ میں نے اللہ یار خان کو کہا کہ وہ صوبیدار نذیر حسین شاہ کو بتا دے کہ میں آگیا ہوں وہ میجر کو بھی بتا دیں۔" میں اندر جا کر بستر پر لیٹ گیا اور رضائی اوڑھ لی۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے سب دوست میرے ٹینٹ میں آگئے۔ ان لوگوں نے میری مزاج پُرسی کی اور گذشتہ رات کے خدشات کا اظہار کرتے رہے۔

نذیر حسین شاہ صاحب آئے اور بتایا کہ میجر صاحب کہہ رہے ہیں کہ اگر طبیعت ٹھیک ہو تو آجائیں ورنہ ٹینٹ ہی میں آرام کریں۔ میں نے اُن کو بتایا کہ میں تھوڑی دیر میں دفتر آرہا ہوں۔ اللہ یار خان کو وردی تیار کرنے کے لیے کہا اور پھر تھوڑی دیر میں تیار ہو کر دفتر جا پہنچا۔ سیدھا میجر صاحب کے پاس گیا۔ انہیں سیلوٹ کیا۔ وہ اُٹھ کر بڑے تپاک سے ملے۔

کیوں صاحب زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔

سر میں چوٹ لگی تھی جس کے باعث میں فینٹ (FAINT) ہو گیا تھا سر

کرنل سعید کی بیوی نے مجھے ٹیلی فون کر کے سب بتا دیا تھا۔ ورنہ ہمیں بڑی فکر تھی۔ اگر طبیعت ٹھیک ہو تو تھوڑی دیر بیٹھیں۔ لڑکوں کو کام سمجھا دیں اور اگر تکلیف ہو تو چلے جائیں اور آرام کریں۔ شام کو آپ عدم صاحب کے ساتھ جاتے ہیں تو ذرا جلدی واپس آجایا کریں۔ میجر صاحب نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

ٹھیک ہے سر۔ اور میں اپنے دفتر میں آکر بیٹھ گیا۔ نمبر ا کور سگنل کے دوستوں کو میرے حادثے کا پتہ چلا تو آنا شروع ہو گئے۔ میں کوئی بارہ بجے تک دفتر میں بیٹھا۔ ڈاک دیکھی اور حوالدار صادق کو ضروری ہدایات دے کر واپس اپنے ٹینٹ میں آگیا۔ یونیفارم اُتارا۔ اللہ یار خان میس (MESS) سے کھانا لے آیا۔ میں کھانا کھا کر سو گیا۔

شام کو سورج غروب ہو رہا تھا۔ میں ابھی تک سویا ہوا تھا کہ اللہ یار نے مجھے جگا کر بتایا۔

سر باہر عدم صاحب کھڑے ہوئے ہیں۔
ان کو کہو۔ اندر آجائیں۔ انہوں نے یہ سُن لیا۔ کہنے لگے۔
نہ بھئی مَیں جیتے جی قبر میں نہیں جانا چاہتا ــــ فیلڈ ایریا میں فوجیوں کے خیمے تقریباً تین چار فٹ زمین کھود کر اس پر لگائے جاتے ہیں۔ ایک تو بمباری کی صورت میں بچاؤ ممکن ہوتا ہے۔ دوسرا اس سے جگہ کشادہ ہوجاتی ہے۔ عدم صاحب کا اشارہ اس طرف تھا۔
چاروناچار مجھے ہی اُٹھ کر باہر آنا پڑا۔
حضور آپ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں۔ عدم صاحب نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔
سر آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔
تم کپڑے بدلو۔ ابھی چلتے ہیں۔ گھومو پھرو گے تو ٹھیک ہو جاؤ گے۔
مَیں نے دوبارہ معذرت کی۔ لیکن وہ نہ مانے اور مجھے ان کے ساتھ جانا ہی پڑا۔
عدم صاحب کی معیت میں روز شام کو شہر اپنے اڈے پر جانا ہمارا روز کا معمول تھا۔ شام کو جاتے تھے رات کو گرتے پڑتے بارہ ایک بجے واپس آتے تھے۔ عدم صاحب چونکہ بلانوش تھے۔ اس لیے گھر واپس نہ جاسکتے تھے۔ مَیں چونکہ پیتا نہ تھا اس لیے میری یہ ڈیوٹی تھی کہ ان کو گھر چھوڑ کر مَیں اپنے کیمپ جاؤں۔ کور ہیڈکوارٹر کے بیشتر آفیسر کو میری اس روٹین (ROUTINE) کا علم تھا۔ لیکن میجر ملک صاحب چونکہ میرے مہربان تھے۔ اس لیے کبھی کسی نے باز پُرس نہ کی۔
اس رات بھی ہم بارہ بجے لوٹے۔ مَیں عدم صاحب کو ان کی کوٹھی پر چھوڑ کر واپس کیمپ پہنچا تو اللہ یار نے کھانا گرم کیا۔ اکثر شام کا کھانا میں باہر ہی کھایا کرتا تھا۔ کبھی کبھی میس میں بھی کھا لیتا تھا۔ اس رات مَیں نے کھانا باہر نہیں کھایا تھا۔ اس لیے اللہ یار کا لایا ہوا کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔
سر وہ کاروالی بیگم صاحب دو دفعہ آپ کا پوچھنے آئی تھی۔ اللہ یار نے دبے دبے

الفاظ میں کہا۔
تم نے کیا کہا۔
سَر میں نے اس کو بتا دیا کہ عدم صاحب آئے تھے۔ وہ اُن کو زبردستی ساتھ لے گئے ہیں۔
کیا وہ عدم صاحب کو جانتی ہے۔؟
ہاں سَر۔ جانتی ہے۔ کہنے لگی۔ عدم صاحب وہ پاکستان کا بڑا شاعر۔
میں نے کہا۔ جی ہاں۔ پھر مجھ سے پوچھنے لگی۔ تمہارے صاحب بھی شاعر ہیں۔
"جی ہاں"۔
سَر وہ جاتی دفعہ کہہ گئی ہے۔ اپنے صاحب کو کہنا کل صبح نو بجے وہ میرے پاس آئیں۔ ضروری کام ہے۔
میں کھانا کھا کر سو گیا۔ دوسرے دن یونیفارم پہن کر دفتر گیا۔ تھوڑی دیر بیٹھا۔ کام کیا اور پھر میجر ملک صاحب کو بتا کر واپس اپنے ٹینینٹ میں آ گیا۔ یونیفارم اُتار سویلین کپڑے پہنے۔ ابھی ٹینینٹ ہی میں تھا کہ اللہ یار نے آ کر بتایا۔
صاحب جی وہ بیگم صاب بیریر (BARRIER) کے پاس کار لے کر کھڑی ہوئی ہے۔ سنتری بتا کر گیا ہے کہ وہ آپ کا انتظار کر رہی ہے۔
میں آہستہ آہستہ فاتحانہ انداز سے چلتا ہوا بیریر کی طرف آیا۔ سنتری نے مجھے سیلوٹ کیا۔
بڑے ٹھاٹھ ہیں حضور کے۔ جدھر جائیں۔ راجے مہاراجوں کی طرح لوگ سلامیاں پیش کرتے ہیں۔ حنا نے طنزیہ انداز میں کہا۔
حنا سلامیوں سے تو پیٹ نہیں بھرتا۔
وہ ہنس پڑی۔
حنا کار خود چلا رہی تھی۔ اس کے ساتھ اور کوئی آدمی نہ تھا۔ اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ میرے لیے کھولا۔ اور میں اسے سلام کر کے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر

بیٹھ گیا۔ اس نے آج بھرپور میک اپ کیا ہوا تھا۔ اس کی قمیص کا اُوپر کا بٹن کھلا ہوا تھا اور گردن کے نیچے اونچی گھاٹیوں کے نیچے کی گہرائی اپنی حیرت انگیز سپیدی، ناز کی اور کانچ کی سی خوبصورتی لیے نظر آرہی تھی۔ جیسا آسمان پر اُجالا تھا۔ ویسا ہی اُجالا حنا نے اپنی قمیص کے اندر چھپا رکھا تھا۔

وہ مجھے لے کر اپنی کوٹھی پر پہنچ گئی۔ عارف اور ڈرائیور کے سوا اس وقت وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے ڈرائنگ روم میں میرے ساتھ صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

کل رات تم نے بڑا انتظار کروایا۔ جب تم نہیں آئے تو میں خود تمہارے پیچھے گئی۔ لیکن تمہارے اردلی نے بتایا کہ شام کو عدم صاحب آئے تھے اور آپ کو ساتھ لے گئے۔ میں پھر کوئی ایک گھنٹہ بعد گئی تو اللہ یار خان نے بتایا کہ آپ بارہ بجے سے پہلے واپس نہیں آئیں گے۔

یہ شرابیوں کی محفل میں اگر تم بھی بیٹھو گے تو تھوڑے عرصے کے بعد تم بھی پکے شرابی بن جاؤ گے۔ اور پھر ایسی زندگی عزیزوں کے لیے، اپنے لیے اور ملنے والوں کے لیے ایک لعنت بن جاتی ہے۔

حنا میں نے توبہ کر لی ہے۔ وہ جو اس دن میں نے پی لی تھی۔ وہی پینا میرے لیے ایک سبق ثابت ہوا۔ شرابی جو یہ کہتے ہیں کہ پی لینے میں ایک گونہ سرور حاصل ہوتا ہے اور آدمی وقتی طور پر غموں سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ یہ سب غلط ہے۔ حنا میں سمجھتا ہوں کہ ایک ذی ہوش انسان کے لیے اس کی زندگی کا سب سے بڑا سرور اس کا ہوش میں رہنا ہے۔ یہ کوئی زندگی ہے۔ آدمی فٹ پاتھوں پر پڑا قے کر رہا ہو۔ ایسے لوگ اپنے لیے، خاندان کے لیے بلکہ پورے معاشرے کے لیے کلنک کا ٹیکہ ہوتے ہیں۔

شکر ہے آپ نے جلدی اس بات کا احساس کر لیا۔

میری توبہ ہے حنا۔ اب زندگی بھر شراب کو منہ نہ لگاؤں گا۔

عارف چائے لے آیا اور ہم چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے حنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ حنا یہ نیا کھیل جو ہم نے شروع کر لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ میرے لیے

بے حد نقصان دہ ثابت ہو گا۔

احمد۔ کوئی نیا کھیل نہیں ہے۔

کیا کرنل صاحب کو ہماری ملاقاتوں پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ کرنل کون ہوتا ہے میرے معاملات میں دخل دینے والا۔

وہ آپ کا خاوند نہیں ہے۔

نہیں تو — میں حیرانگی کے عالم میں اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

تو آپ کا اور ان کا کیا رشتہ ہے؟

ہم دونوں آپس میں دوست ہیں۔

کرنل صاحب نے شادی نہیں کی ہوئی۔

میں نہیں جانتی۔

آپ دونوں کب سے یوں اکٹھے رہ رہے ہیں۔

تقریباً چار سال سے۔

آپ دونوں کا آپس میں کوئی نکاح نہیں ہوا۔

جی نہیں۔

پھر اکٹھا رہنے کا کیا مقصد ہے۔ یہ تو سراسر حرامکاری ہے۔ آپ لوگوں کے ساتھ تو کھانا پینا بھی حرام ہے۔

تو کیا آپ میرے ساتھ اس طرح کی زندگی گذارنے کے لیے تیار ہیں؟

ہرگز نہیں ——— اور اس کا چہرہ کسی انجانے خوف کی وجہ سے زرد پڑ گیا۔

میں نے تو آپ سے بڑی اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ حنا نے بڑا پُر امید ہو کر کہا۔

حنا۔ میں آپ کی ہر مدد کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اخلاقی حدود کے اندر رہ کر۔

احمد صاحب۔ اخلاق کا درس شکست خوردہ لوگ دیتے ہیں۔

حنا اپنے اپنے ماحول کی بات ہے۔ مجھے بچپن ہی سے اس طرح کی تربیت دی گئی ہے۔ ہم سادہ لوح دیہاتی زندگی بھر انسانی تقدیس کا لحاظ کرتے ہیں اور انسانی تقدیس کو قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔

کیا آپ زندگی کے ہر مرحلہ پر میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں! حنا نے استفسار بھرے لہجے میں کہا۔

نہیں حنا صاحبہ مجھے افسوس ہے۔ میں گھر گرہستی والا آدمی ہوں۔ میری بیوی ہے دو بچیاں ہیں۔ میں فوج میں ملازمت کرتا ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بغیر نکاح کے ایک غیر عورت کے ساتھ یوں ازدواجی زندگی گذاروں۔

احمد صاحب میرے راستے میں تو بڑے بڑے افسر بھی آنکھیں بچھاتے ہیں۔ مجھ سے بات کرنے کو ترستے ہیں۔ نہ جانے میں آپ پر کیوں مہربان ہو گئی ہوں۔

حنا صاحبہ۔ وہ بڑے افسر یہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں ان کے سوشل سٹیٹس (SOCIAL STATUS) اتنے ہوتے ہیں کہ وہ اس طرح کی چھوٹی موٹی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ میرے کوئی STATUS نہیں ہیں۔ میں بہت ہی معمولی آدمی ہوں جو کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

احمد میں نے ان افسران کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی زندگی بھی بڑی کھوکھلی ہوتی ہے۔ اس نے بڑے تیقن آمیز لہجے میں کہا۔

حنا مجھے اجازت دیں۔ میں نے جلدی واپس جانا ہے۔

ابھی تو تم آئے ہو۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مَیں تھوڑی دیر کے لیے اجازت لے کر آیا تھا۔ آپ نے غور فرمایا مَیں کس قدر مجبور آدمی ہوں نہ اپنی مرضی سے کہیں آجا سکتا ہوں۔ نہ اپنی مرضی سے کسی کو مل سکتا ہوں۔ ابھی تو ہماری ملاقات کو صرف دو دن ہوئے۔ اگر یہ ملاقاتیں اسی باقاعدگی سے جاری رہیں تو لوگ ہمارا جینا دو بھر کر دیں گے۔ مجھے یہ فوجی افسر قیدی بنا کر کیمپ میں رکھیں گے اور ہم ایک دوسرے سے ملنے کے لیے بھی ترستے رہیں گے۔

تو آپ یہ ملازمت چھوڑ دیں۔
چھوڑ دوں تو کھاؤں گا کیا۔ بیوی بچے بھوک کے مر جائیں گے۔
کتنی تنخواہ ملتی ہے آپ کو
جتنی آپ اپنے خانساماں کو دیتی ہیں۔
او۔ ویری پور (VERY POOR)۔ آفل (AWFUL)

٭ ٭

وہ صوفہ سے اُٹھ کر میرے سامنے قالین پر گاؤ تکیئے کے سہارے بیٹھ گئی۔ میں اپنے مستقبل سے ڈر رہا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ سب کچھ میں غلط کر رہا ہوں۔ لیکن پھر بھی ایک سحر زدہ آدمی کی طرح حنا کی اقلیم حسن سے باہر نہ آنا چاہتا تھا۔

وہ ایک ماہر عامل کی طرح اپنی تمام تر حُسن کی مسحور کن قوتوں کے ساتھ مجھے اپنے قبضہ قدرت میں لے چکی تھی۔ اور میں سمجھتا تھا کہ اس بات کا اسے اچھی طرح احساس ہے۔

حنا آپ مجھے یہ بتائیں کہ کرنل صاحب کے پاس آنے سے پہلے آپ کہاں تھی۔

جناب آپ نے پوچھ ہی لیا تو آپ کو تفصیل سے بتائے دیتی ہوں۔ شاید ان حالات کی روشنی میں آپ بہتر طور پر اپنے لیے کسی صحیح راستے کا انتخاب کر سکیں۔ میں پہلے آپ کو مختصر طور پر اپنی فیملی ہسٹری بتانا مناسب سمجھتی ہوں۔

"میرے والد یو۔ پی کے ایک بڑے جاگیردار تھے۔ میری ماں لکھنؤ کے ایک کالج میں پروفیسر تھیں۔ میرے والد نے ان کے ساتھ شادی کی تو اُن سے ملازمت چھڑوا دی اور وہ بالکل ایک گھریلو خاتون بن گئیں۔ ان کی شادی کے کوئی دو سال بعد میں پیدا ہوئی۔ میرا اور کوئی بہن بھائی نہ تھا۔ نواب صاحب نے نرینہ اولاد کی خاطر چار شادیاں کیں۔ لیکن میرے سوا ان کا کوئی بچہ نہ ہوا۔ مجھے میرے والد نے لکھنؤ کے ایک اقامتی انگریزی سکول میں داخل کروا دیا۔ جب میری عمر بارہ سال کی ہو گئی تو میری ماں اور باپ کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے۔ جس کے نتیجے کے طور پر میری والدہ نے

نواب صاحب سے علیحدگی اختیار کر لی اور پھر جلد ہی ان کو بمبئی کے ایک گرلز کالج میں پڑھانے کی جاب مل گئی۔ اور ہم دونوں ماں بیٹی بمبئی منتقل ہو گئیں۔ اس کے بعد نواب صاحب نے ہماری کوئی خبر نہ لی۔ مجھے تمام عمر یہ رنج رہا کہ میرے باپ نے کبھی مجھ سے ملاقات نہیں کی۔ نہ ہی مجھے اپنے پاس کبھی بلوایا ہے۔ بہر حال بمبئی میں میری ماں نے اپنی جاب پر خوب محنت سے کام کیا اور وہ جلد ہی اس کالج کی پرنسپل بن گئیں۔

میں نے بی۔ ایس۔ سی فائنل کر لیا تھا اور اب ایم۔ ایس۔ سی میں داخلہ لینے کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی کہ ایک دن میں اپنی ماں کے ساتھ تاج محل ہوٹل کی ایک تقریب میں شرکت کے لیے وہاں گئی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی ایک بڑی ریاست کے مہاراجہ تھے۔ تقریب کے اختتام پہ باہر لان میں چائے پی رہے تھے کہ مہاراج چائے کی پیالی اُٹھائے ہمارے قریب آ گئے۔ میری امی نے ان کو سلام کیا پوچھنے لگے۔

پرنسپل صاحبہ کیا حال ہے آپ کا۔

خیریت سے ہوں مہاراج۔

یہ لڑکی کون ہے۔ انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

مہاراج یہ میری بیٹی ہے۔

کیا نام ہے۔ ان کا۔

مہاراج اس کا نام زاہدہ حنا ہے۔

مہاراج نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک نہایت ہی قیمتی ہار نکال کر میرے گلے میں ڈال دیا۔ حاضرین نے تالیاں بجائیں۔

تقریب ختم ہو گئی اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ مہاراج کی دو بیٹیاں میری امی کے کالج میں پڑھتی تھیں۔ مہاراج کی ریاست وہاں سے کافی دور تھی۔ لیکن جب بھی وہ بمبئی آتے اپنی بیٹیوں کو دیکھنے کالج ضرور آتے اور پھر میری ماں کے ساتھ تحائف کا انبار اُٹھوائے وہ ہمارے فلیٹ میں ضرور آتے اور ہر دفعہ میرے

لیے بیش قیمت ہیرے جواہرات، عمدہ اور اعلیٰ قسم کے کپڑے لاتے۔
ایک دن میری ماں نے مجھے بتایا کہ مہاراج تمھیں مہارانی بنانا چاہتے ہیں۔
میں یہ سُن کر شل ہوگئی۔ مہاراج کی عمر اس وقت کوئی پچپن سال ہوگی۔ میری عمر چوبیس سال کے لگ بھگ تھی۔ دونوں کی عمروں کا بڑا فرق تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

میں اب ہر وقت سوتے جاگتے اپنے آپ کو مہارانی کے روپ ہی میں دیکھتی مہاراج کوئی خوب صورت آدمی نہ تھے بلکہ سچ پوچھئے تو بدصورت آدمی تھا۔ اس کے حرم میں پہلے بھی دس رانیاں تھیں۔ اس کا یہ طریقۂ کار تھا کہ وہ ہر نئی عورت کو مہارانی کا خطاب دیتا۔ صرف خطاب ہی نہ دیتا بلکہ پرڈلوکول بھی دیتا۔ اتفاق سے ان دس عورتوں میں سے ایک دو کے سوا کسی سے بھی اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔
وہ ہر نئی شادی اس اُمید کے ساتھ کرتا کہ شاید نئی بیوی سے مجھے ریاست کا کوئی جانشین مل جائے۔ اُس وقت میری ماں نے کوئی مخالفت نہ کی۔ لیکن بعد میں میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس شادی سے خوش نہ تھیں۔ وہ اب کہتی ہیں۔ اِن نوابوں اور راجوں مہاراجوں کی نجی زندگی بڑی ہی گھناؤنی ہوتی ہے۔ یہ ہمیں اپنا ساتھی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی ہوس رانی کی تکمیل کا محض آلۂ کار بنالیتے ہیں۔ میری ماں کو اس بات کا احساس بھی تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور مہاراج کٹر ہندو۔ میری ماں نے ان خدشات کا اظہار پہلے نہ کیا اور میری شادی ہوگئی۔ جس میں بے شمار والیانِ ریاست۔ ان کی بیگمات۔ سرکاری افسران۔ حتیٰ کہ گورنر تک نے شرکت کی۔ مجھے اتنے قیمتی تحائف ملے کہ جن کی بدولت میں اب تک شاہانہ زندگی بسر کررہی ہوں۔
میں مہاراج کے ساتھ چار سال تک رہی۔ اس عرصے میں ہمارا کوئی اشوع نہ ہوا۔ مہاراج بہت بوڑھا ہوگیا تھا۔ اس کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔ وہ جنسی طور پر کمزور آدمی تھا۔ اس نے دو تین اچھے معالج۔ ڈاکٹر۔ حکیم اور وید ملازم رکھے ہوئے تھے۔ جو شام ہی سے اُسے مختلف قسم کے ٹیکے لگاتے۔ مالش کرتے اور کھانے

کی دوائیاں دیتے۔ مہاراج رات کو ایک بوڑھے ریچھ کی طرح مجھے آدبوچتے اور رات بھر روئی کی طرح دھنتے رہتے۔ اس وقت میں اپنے کیے پر بہت پچھتاتی تھی۔ بارہا سوچا کہ خودکشی کرلوں تاکہ اس اذیت ناک زندگی سے ایک ہی دفعہ جان چھوٹ جائے۔

دوسری سب سے اہم بات یہ تھی کہ مجھے مہاراج سے سخت نفرت ہوگئی تھی۔ وہ دانتوں کو برش نہ کرتا تھا۔ ایک پتلی سی لکڑی سے کبھی کبھار دانت صاف کرلیتا تھا۔ سوتا تھا تو اس کا منہ کھلا رہتا تھا جس پر مکھیاں بھنبھناتی اور منہ کے اندر داخل ہوتی رہتی تھیں۔ سوتے میں اس کے منہ سے مستقل طور پر لعاب بہتا رہتا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے متلی ہونے لگتی تھی۔

میں تقریباً چار سال مہاراج کے پاس رہی۔ اس عرصے میں اس نے مجھے بے شمار زر و جواہر تحفے میں دیے۔ جو اس وقت سے میں نے اپنے قبضے میں کر رکھے ہیں۔

٭—٭

کرنل سعید کا والد مہاراج کے پاس بطور ڈاکٹر ملازم تھا۔ یہ اپنے باپ کے پاس آتا تو اس سے ملاقات ہوجاتی تھی۔ یہ اس وقت میجر تھا۔ میرے حسن سے مسحور ہو کر اس نے مجھے پروپوزل (PROPASAL) دی کہ تم مہاراج سے علیحدگی اختیار کرلو۔ مسلمان نوابوں کی طرح یہ ہندو راجے مہاراجے اس معاملے میں اتنے رجڈ (REGID) نہیں تھے کہ وہ اپنی بیویوں کو اپنے سے الگ نہ کریں۔ میں اس کم بخت کے بھرے میں آگئی اور ایک دن میں نے مہاراج سے کہا۔

مہاراج! آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں ایم ایس سی میں داخلہ لے رہی تھی کہ آپ سے میری شادی ہوگئی۔ اگر آپ اب مجھے اجازت دیں تو میں دوبارہ بمبئی یونیورسٹی میں جاکر داخلہ لے لوں۔

حنا! اس کے لیے تمہیں مجھ سے علیحدگی اختیار کرنا پڑے گی۔

ٹھیک ہے مہاراج۔ حرن چھونے کی تو مجھے اجازت ہوگی نا۔ میں نے ان کی دلجوئی کے لیے یہ جھوٹی تسلی دی۔

ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ہم دو اچھے دوستوں کی طرح ملتے رہیں گے۔ تم ایسا کرنا۔ ریاست میں مت آنا۔ میں بمبئی آیا کروں گا تو ملاقات کر لیا کروں گا۔

اس طرح میں نے اس سے گلو خلاصی کرائی۔ میں بمبئی واپس چلی گئی۔ میری ماں نے بھی ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ انہیں ریٹائر ہونے پر کافی رقم یک مشت ملی۔ میرے واپس آنے پر میری ماں بہت خوش ہوئی۔ اب وہ کہتی تھی۔ تم دل لگا کر پڑھو۔ ایم۔ ایس۔ سی (M S C) کر لو پھر آئندہ زندگی کے بارے میں سوچنا۔ میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور پڑھائی شروع کر دی۔

انہی دنوں برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی۔ ہندوستان اور پاکستان دو خود مختار مملکتیں وجود میں آگئیں۔ اس کے ساتھ فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ ایک دن میری ماں بازار گئی اور پھر واپس نہ آئی۔ میں نے ان کی بڑی تلاش کی لیکن ان کا کوئی پتہ نہ چلا۔ میں اس جانگداز حادثے سے بہت دل برداشتہ ہو گئی۔ میری ماں اور میرا جائینٹ اکاؤنٹ تھا۔ کراچی کے حبیب بنک کے بیے میں نے کافی رقم کا ڈرافٹ بنوا لیا۔ وہاں لاکرز میں میری کروڑوں روپے کی جیولری تھی۔ وہ بھی میں نے لے لی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی اور میں چپکے سے کراچی شفٹ ہو گئی۔ ڈرافٹ جمع کرایا۔ جیولری لاکرز میں رکھی اور پھر اپنے ہوٹل واپس چلی گئی۔

میں اسی سوچ بچار میں رہنے لگی کہ ایم۔ ایس۔ سی کر لوں۔ زندگی کے کسی مرحلے پہ یہ پڑھائی کام ہی آئے گی۔ ایک دن شام کو میں کلفٹن کی سیر کو گئی۔ وہاں سعید سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ اب وہ کرنل ہے اور یہاں کسی فوجی ہسپتال کا کمانڈنگ آفیسر ہے۔ تھوڑی دیر ہم دونوں وہاں گھومتے پھرتے رہے۔ ٹھنڈی گیلی ریت پر بیٹھ کر بچوں کی طرح گھروندے بناتے رہے۔ یکایک سعید نے چلنے کو کہا۔ ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ٹیکسی سٹینڈ کے پاس آ گئے۔ سعید مجھ سے کہنے لگا۔

حنا چلو گی میرے ساتھ۔

نہیں پھر کبھی۔

اور وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ میرے ساتھ آجاؤ۔ جہاں تم نے کہا وہاں ڈراپ کردوں گا۔

نو۔ تھینک۔ یو (NO THANK YOU)

وہ چلا گیا اور میں پھر واپس ساحلِ سمندر پر گھونگھے چننے کے لیے لوٹ آئی۔ پاکستان میں میں نے ایک بات اچھی نہیں دیکھی۔ یہاں اکثر مرد چاہے وہ جوان ہوں یا بوڑھے ہر غیر عورت کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اس کے جسم کے تمام خدوخال کا اچھی طرح جائزہ لیتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اکثر نوجوان گھورتے ہوئے گزر جاتے۔ اور کئی منچلے ارد گرد منڈلانا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے کسی کو لفٹ ہی نہ دی اس لیے وہ ڈس کرج (DISCOURAGE) ہو کر چلے جاتے۔ میں کوئی گھنٹہ بھر وہاں پھرتی رہی۔ کراچی میں میں نے یہ بھی دیکھا کہ اگر کوئی عورت اکیلی سب سے الگ تھلگ بیٹھی ہو تو لوگ سمجھتے ہیں" کوئی بیسوا ہے۔ شکار کی تلاش میں بیٹھی ہے۔" یہ بات مجھے جلد پتہ چل گئی۔ میں واپس اپنے ہوٹل آگئی۔

میں تھکی ہاری سو رہی تھی کہ کسی نے میرے کمرے کا دروازہ ناک (KNOCK) کیا۔ میں نے اندر آنے کے لیے کہا۔ دیکھا تو آنے والا سعید تھا۔ میں نے اُٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ انٹرکام (INTER - COM) کے ذریعے نیچے چائے کا آرڈر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیرا چائے لے آیا۔ ہم بیٹھے چائے پیتے رہے اور مہاراج کی اور اس کی ریاست کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے سعید سے ہنستے ہوئے کہا کہ تمہارے والد کی وہاں ڈیوٹی مہاراج کو رات کی جنگ کے لیے تیار کرنا ہے۔ وہ ہنس پڑا۔ سعید کو اس بات کا علم تھا کہ میرے پاس بے اندازاور بیش قیمت جیولری ہے جس کی قیمت کروڑوں روپے بنتی ہے۔ سعید مجھ سے کہنے لگا۔

آپ ریاست واپس جائیں گی یا بمبئی۔

میں نے اب وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔ میری امی بمبئی کے فسادات میں ماری گئیں۔ ایک دن گئیں اور پھر واپس نہ آئیں۔

تو پھر اس ہوٹل میں کب تک رہنے کا ارادہ ہے۔
جب تک قسمت رکھے گی۔ رہوں گی۔
میرے پاس اتنی بڑی کوٹھی ہے۔ میں اس میں اکیلا رہ رہا ہوں۔" آپ میرے ساتھ آجائیں۔"
تمہارے ساتھ اور کون رہتا ہے۔
میں نے کہا ہے نا۔ کہ میں بالکل اکیلا ہوں۔ سوائے میرے ڈرائیور۔ اردلی اور لک کے اور کوئی آدمی نہیں۔
تمہارے بیوی بچے نہیں۔
جی نہیں۔ میں نے ابھی تک شادی ہی نہیں کی۔
کب کروگے۔ یہی تو عمر ہے تمہاری شادی کی۔ کتنی عمر ہوگی تمہاری۔
کوئی چالیس سال کے لگ بھگ
اور کتنے سال شادی نہ کرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔
جب کوئی مناسب رشتہ ملے گا۔ کرلوں گا۔
مناسب سے کیا مراد ہے تمہاری۔
یعنی اچھا۔ میری مرضی اور پسند کے مطابق۔
ہم دونوں سگریٹ پیئے جارہے تھے۔ فضا سگریٹ کے دھوئیں سے بوجھل ہوگئی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے دل کی بات کہتے ہوئے ایک گونہ جھجک محسوس کررہے تھے۔ یکایک اس نے جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور پھر کہنے لگا۔
حنا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ میری کوٹھی میں رہائش رکھ لیں۔
کتنے دنوں کے لیے۔
جب تک آپ کا جی چاہے۔
ٹھیک ہے میں چلی آؤں گی لیکن ایک بات کی وضاحت میں کردوں۔
فرمائیے۔

میں تم سے شادی نہیں کروں گی۔
نہ کرنا۔ ہم دو اچھے دوستوں کی طرح اکٹھے تو رہ سکتے ہیں۔
ٹھیک ہے۔ اس موضوع پر تم بھی سوچ لینا۔ مجھے بھی سوچنے کا موقعہ دو۔ سوچے سمجھے بغیر اتنا بڑا قدم اُٹھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

میری یہ آفر (OFFER) سُن کر وہ بے حد خوش ہوا اور یکایک اس کا موڈ بہت خوشگوار ہو گیا وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

میں رات بھر سوچتی رہی۔ میں سعید سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔ عمر میں مجھ سے اچھا خاصا بڑا ہے۔ کوئی زیادہ خوبصورت آدمی بھی نہیں۔ خاندانی بیک گراؤنڈ بھی بھی نہیں۔ ایک معمولی سے عطائی ڈاکٹر جس کی تمام تر پریکٹس ایک ہوس پرست حکمران کی ہوس رانی کو تقویت دینے تک موقوف ہے۔ بقول اس کے وہ فوج میں کرنل ضرور ہے۔ لیکن تمام عمر فوج میں تو نہیں رہے گا۔ کبھی تو فوج سے واپس بھی آئے گا۔ اس کی اتنی عمر ہو گئی ہے اور ابھی تک اس نے شادی نہیں کی۔ چلیے کوئی بہت آئیڈیل لڑکی اُسے نہ مل سکی ہو گی۔ لیکن کسی عام سی لڑکی ہی سے شادی کر لیتا۔ وہ جتنا اس مسئلے پر سوچتی یہ اتنا ہی اُلجھتا جاتا۔

وہ سوچنے لگی۔ آخر میں اس اجنبی جگہ پر کب تک یوں اکیلی قیام پذیر رہوں گی جب بھی کسی کو اس بات کی بھنک پڑ گئی کہ میں ایک امیر لیڈی ہوں تو یہ جاہ و ثروت میرے لیے مصیبت کا باعث بن جائے گی۔ کرنل کی اس پروپوزل (PROPOSAL) کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ دوست کی حیثیت سے رہوں۔ لیکن اس میں ایک پرابلم (PROBLEM) ہو گی۔ نہ ہم ایک دوسرے کو میاں بیوی ظاہر کر سکیں گے اور نہ ہی کسی دوسری حیثیت سے ہم زیادہ دیر تک اکٹھے رہ سکیں گے۔
اسی ادھیڑ بن میں میری آنکھ لگ گئی۔ اور میں سو گئی۔

—

دوسرے دن کرنل بڑا بن ٹھن کر آیا۔ کرنل کی وردی زیب تن کیے ہوئے فوجی گاڑی

پر سوار۔ ساتھ فوجی سپاہیوں کا ایک لاؤ لشکر۔ وہ سپاہی اسے میرے کمرے تک چھوڑنے آئے۔ پھر کرنل نے ان میں سے ایک کو کچھ پیسے دیے اور یہ کہا کہ تم لوگ نیچے گاڑی کے پاس رہو۔ چائے وغیرہ پیو۔ اگر بازار کا چکر لگانا چاہو تو بے شک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گھوم پھر لینا اور پھر وہ فوجی سلام کرکے چلے گئے۔

کرنل نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سکھ کا سانس لیا۔ سگریٹ کیس نکالا۔ مجھے آفر کیا اور پھر خود ایک سگریٹ سلگا لیا۔ وہ آج اچھے موڈ میں تھا۔

ہاں تو یور ہائی نیس (YOUR HIGHNESS) آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اس نے یور ہائی نیس پر زور دیتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ چل آؤں گی۔ لیکن آنے سے پہلے میں اپنی کچھ شرائط پیش کرنا چاہتی ہوں۔

بسر و چشم۔ یور۔ ہائی نیس

سعید صاحب بات یہ ہے کہ جب تک آپ چاہیں میں آپ کے ساتھ ایک دوست کی حیثیت سے رہ سکتی ہوں لیکن بیوی بن کر نہیں۔

کیوں بیوی بن کر رہنے میں کیا ہرج ہے۔

سعید صاحب میری کچھ پرابلمز (PROBLEMS) ہیں۔ جن کا میں سر دست اظہار نہیں کر سکتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کو خود پتہ چل جائے گا۔ میں آپ کی کوٹھی۔ نوکر چاکر اور گھر کے سب اخراجات برداشت کروں گی۔ میں ایک نئی کار جلد خرید لوں گی۔ آپ بھی اگر چاہیں تو اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ آپ مجھ پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

تو حنا! یہ پہاڑ سی زندگی تم کیسے گزارو گی۔ یہ حسن۔ یہ جوانی۔ ان کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔

ٹھیک ہے۔ لیکن ایک والیۂ ریاست کی مہارانی بن کر رہنے کے بعد میں کسی عام سے آدمی کی بیوی بن کر نہیں رہ سکتی۔

میں نے آپ سے پہلے عرض کی ہے کہ اس ہوشربا جوانی کے اپنے کچھ تقاضے ہیں ان سے آپ منہ نہ موڑ سکیں گی۔

نہیں سعید صاحب میرے اندر کی عورت مر چکی ہے۔ اب میں کسی مرد کے ساتھ جنسی تعلقات استوار نہیں کر سکتی۔

نہیں حنا ایک وقت آئے گا کہ تم اپنے اذیت ناک ماضی کو بھول کر مستقبل کے خوشگوار منصوبے بناؤ گی اور پھر نئے سرے سے تم میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا ہو گی۔

سعید صاحب میں آپ کے ساتھ جانے سے پہلے آپ پر یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ ہم دو اچھے دوستوں کی طرح رہیں گے۔ آپ مجھ سے جنسی تعلقات استوار کرنے کی کوشش نہ کریں گے۔ مجھ پر کسی قسم کی کوئی کمانڈ ایکسرسائز EXERCISE نہ کریں گے۔ سوسائٹی میں آپ کسی کے سامنے بھی اس بات کا اظہار نہیں کریں گے میں آپ سے اخراجات وغیرہ کے لیے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کروں گی۔ آپ میرے مالی معاملات میں دخل نہ دیں گے۔ اگر یہ باتیں آپ کو منظور ہوں تو میں آپ کے ساتھ چلی چلتی ہوں۔ میں آپ پر شادی کی کوئی پابندی نہیں لگانا چاہتی۔ آپ جب چاہیں شادی کر لیں۔ میں پھر اپنی الگ رہائش اختیار کر لوں گی۔ اس طرح اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں اور میں سمجھوں کہ مجھے شادی کر لینی چاہیے تو آپ میری راہ میں مزاحم نہ ہوں گے۔

مہارانی صاحبہ کے ہر حکم کی تعمیل ہو گی۔

نہیں سعید تم یہ باتیں مذاق میں نہ اُڑاؤ۔ میں سیریس (SERIOUS) ہوں۔

میں بھی سیریس (SERIOUS) ہوں۔ آپ کی بتائی ہوئی ہر بات مجھے بسر و چشم منظور ہے۔

* — *

سعید میرا مختصر سا سامان اُٹھوا کر نیچے لے گیا۔ میں ہوٹل کے دفتر میں گئی۔ وہاں تمام

بل ادا کیے اور ان سے کلیرنس (CLEARANCE) لی اور پھر سعید کے ساتھ اس کی سرکاری
گاڑی میں آکر بیٹھ گئی اور وہ مجھے اپنی کوٹھی پر لے آیا میرے لیے بیڈ وغیرہ کا انتظام کیا اور
میری ہدایت پر میرا بیڈ ایک الگ کمرے میں لگایا گیا۔ تاکہ سعید کے ذہن میں یہ بات گھر ہی
نہ کرے کہ ایک جوان اور خوبصورت عورت اس کے پہلو میں سو رہی ہے اور اس طرح وہ
ذہنی طور پر اپ سیٹ (UP SET) نہ ہو۔ شروع شروع میں تو سعید کئی روز تک تابعداری
کرتا رہا۔ لیکن بعد میں جب اس نے دیکھا کہ میں اپنے آپ کو اس کے سامنے سب مٹ
(SUBMIT) نہیں کرتی تو وہ کچھ کھچا کھچا سا رہنے لگا۔ لیکن میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ
کی چونکہ یہ سب باتیں میں نے پہلے ہی بہت وضاحت سے اس کو بتا دی تھیں۔

کراچی میں میں سعید کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سال رہی ہوں گی۔ وہ میری قربت سے کافی
محظوظ ہوتا رہا۔ اس نے کئی بار مجھ سے لپٹنے چمٹنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن میں نے اسے
کوئی لفٹ نہ دی۔ میں نے بارہا اسے کہا کہ تم شادی کر لو لیکن کسی موہوم سی اُمید کے سہارے
اس نے ایسا نہ کیا اور وہ بدستور ایک انجانی سی آگ میں جلتا رہا۔ ڈیڑھ سال کراچی رہنے
کے بعد اس کا پوسٹنگ لاہور ہو گیا۔ وہاں اس کو میرڈ اکاموڈیشن (MARRIED ACCM)
نہ مل سکی۔ اس لیے ہم چھ ماہ کے لیے فلیٹیز میں رہے۔ فلیٹیز بڑا مہنگا ہوٹل ہے۔ اگر
سعید کو بلوں کی ادائیگی کرنا پڑتی تو اس کی پوری تنخواہ بھی اس کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ جتنا
عرصہ وہ میرے ساتھ فلیٹیز میں رہا ٹھیک بی ہو (BEHAVE) کرتا رہا۔ وہاں اس
کی پوسٹنگ ایک فیلڈ ایمبولینس یونٹ میں ہو لی تھی۔ چھ ماہ بعد اُسے جہلم پوسٹ کر دیا
گیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک ہم یہاں ہی ہیں۔

یہاں آکر بنگلہ میں نے کرائے پر لیا۔ ڈرائیور۔ خانساماں۔ بیرا اور ایک مائی میں
نے ملازم رکھے جن کی تنخواہ میں دیتی تھی۔ گھر کے تمام اخراجات میں برداشت کرتی ہوں
سعید کا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوتا۔

وہ اب ہسپتال سے ایک نرس کو کبھی کبھی اپنے ساتھ لے آتا ہے۔ جو دو تین گھنٹے
رہ کر واپس چلی جاتی ہے۔ شروع شروع میں تو وہ نرس مجھے دیکھ کر بڑی اپ سیٹ ہوتی

لیکن شاید سعید کے سمجھانے بجھانے پر اس کا حوصلہ بڑھ گیا اور بعد میں وہ خود اکیلی بھی کبھی کبھار آجاتی۔ ایک دو دفعہ اس نے رات بھی سعید کے کمرے میں بسر کی۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور نہ ہی میں نے بُرا مانا۔ البتہ جس دن وہ نرس آتی سعید مجھ سے آنکھ نہ ملا سکتا۔ یہ کاروبار اسی طرح چلتا رہا۔ ایک دن رات کو سعید نے مجھے ریپ (RAPE) کرنے کی کوشش کی۔ وہ میرے کمرے میں آیا۔ بجائے صوفے پر بیٹھنے کے میرے پاس پلنگ پر آکر بیٹھ گیا اور پھر مجھ سے لگا پیار جتانے میں نے پہلے کی طرح کوئی نوٹس نہ لیا۔ اس نے انتہائی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے کِس (KISS) کر لیا۔ میں اُس کی اس بچگانہ حرکت پر ہنس پڑی۔ شاید اس سے اُسے مغالطہ ہوا اور اس نے میرے ساتھ زبردستی کرنا شروع کر دی۔

احمد صاحب میں نے آپ کو پہلے بتایا ہے کہ میں اس طرح کے حالات و واقعات سے کبھی دوچار نہیں ہوئی۔ میں اسے منع کرتی رہی۔ سمجھاتی رہی۔ لیکن شاید وہ اسے میری نیم رضامندی سمجھا۔ اس نے ہاتھا پائی کرنا شروع کر دی۔ جس سے میری قمیض پھٹ گئی۔ اور پھر اس نے مجھے زبردستی چارپائی پر گرا لیا۔

عورت اگرچہ فزیکلی بہت کمزور بھی ہو اور اس کا مدِمقابل شہ زور اور تنومند جوان بھی ہو تو وہ اس نحیف و نزار عورت کی عصمت دری نہیں کر سکتا جب تک عورت کی اپنی مرضی نہ ہو ——— یکایک میں نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ اس کے دل میں نفس پرستی کی تیز آگ مشتعل ہو گئی ہے اور اس کا سارا وجود اور اس کے سارے حواس اس کی رغبت ایک عجیب مہلک جذبے سے متحرک ہو اُٹھے ہیں۔ درندوں کی آنکھوں میں شکار کے وقت جو چمک آجاتی ہے۔ ویسی ہی چمک اس وقت میں نے سعید کی آنکھوں میں بھی دیکھی۔ اس وقت اس کی دونوں آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ یہ باطنی مسرّت کی تاباں اور خوشگوار روشنی نہ تھی بلکہ شکاری کا خونخوار مقصد تھا۔

میں نے مدد کے لیے عارف کو آواز دی۔ لیکن سعید نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ مجھے ایک اچھا موقعہ ملا۔ میں نے اس کے ہاتھ کی دو انگلیاں منہ میں لے کر اتنے زور

سے چباڈالیں کہ اس کی چیخ نکل گئی۔ اُس نے مجھے زور سے لات ماری اور میں دور جا گری۔ وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

میری مدد کو کوئی نہ آیا۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ شاید تمام نوکر آرام کر رہے تھے ایسے پتہ چلتا ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں نے کپڑے بدل کر دروازے بولٹ کر دیے اور لیٹ گئی۔ میں نے اس دن ہی یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس ذلیل انسان سے اب الگ ہی رہوں گی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے موٹر سٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ اور کوئی اس میں بیٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی کہ کون تھا۔ کہاں گیا ہے۔ دوسرے دن پتہ چلا کہ کرنل صاحب بہادر تھے۔ اُن کا ہاتھ دروازے میں آکر کچلا گیا تھا۔ وہ سی۔ ایم۔ ایچ گئے تھے۔ سرجیکل سپیشلسٹ نے جناب کی ایک انگلی کاٹ دی اور دوسری پر پٹی کر کے انہیں سک۔ ان۔ کوارٹر کر دیا۔ میں اس کی اس چالاکی اور مکاری پر حیران تھی۔ میں سوچنے لگی ایسے لوگ جو ظاہر میں نیکی اور اخلاق کی باتیں کرتے تھکتے نہیں۔ حقیقت میں کتنے بڑے کمینے اور بدکار ہوتے ہیں دوسرے دن اُس نے فزیکلی گڑگڑاتے ہوئے میرے پاؤں پکڑ لیے اور معافی مانگنے لگ گیا۔ گذشتہ رات جو کچھ ہوا تھا میں اُسے بھول کر اُس سے راضی ہو گیا۔ اس نے خوشی سے میرا ہاتھ چوم لیا۔ میں نے دل میں کہا چلو اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ میں نے اس واقعہ کو دل میں جگہ نہ دی۔

کوئی آٹھ نو ماہ خیریت سے گذر گئے۔ اس عرصے میں ہم ایک دوسرے سے کم ہی بولتے تھے۔ کھانا وغیرہ الگ الگ کھاتے تھے۔ میں نے اس سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ میرا خیال تھا اس کیلیے یہ ایک تازیانہ ہوگا اور وہ آئندہ ایسی کوئی نازیبا حرکت نہ کرے گا۔ اس لیے میں اس کے ساتھ رہتی رہی۔ لیکن اب بھی دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی کہ اس سے الگ ہو جاؤں۔ تمہارے ملنے کے بعد اب مجھے سہارا ہو گیا ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ ہر مشکل وقت میں تم میری مدد کو آؤ گے۔ تمہارے ہی بھروسے پر میں نے اس کو بنگلہ خالی کرنے کے لیے کہہ دیا ہے۔ وہ بے حد شرمندہ

ہے۔ مجھ سے آنکھیں چار نہیں کر سکتا۔ اس کو میری وجہ سے کم از کم دو ہزار روپے سے زیادہ ماہوار کی بچت ہوتی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے آپ کو پہلے بتایا ہے۔ بنگلہ کرائے پر مَیں نے لے رکھا ہے۔ چار فل ٹائم نوکر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو تنخواہ مَیں دیتی ہوں۔ اس کے علاوہ جز وقتی ملازم خاکروب، دھوبی اور مالی وغیرہ ہیں۔ گھر کا تمام خرچہ مَیں برداشت کرتی ہوں۔ گاڑی بھی وہ استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس نے کبھی ایک پیسے کا پٹرول اس میں نہیں ڈالا۔ اپنی تنخواہ سب کی سب بچت کرتا ہے کبھی کبھی تو جیب خرچ بھی مجھ سے لے لیتا ہے۔

٭ــ٭

وہ اُٹھ کر میرے پاس صوفہ پر آکر بیٹھ گئی۔ ہم فوجی لوگ عورت کی قربت سے محروم ہوتے ہیں۔ مَیں نے عجیب سا محسوس کیا۔ ایک جوان اور حسین جسم کی قربت سے مَیں اپنے آپ میں ایک نئی زندگی اور روح میں ایک نئی تڑپ محسوس کر رہا تھا۔ حنا زندگی کے اس دور سے گذر رہی تھی۔ جب دل میں امنگیں اور دماغ میں منصوبے ہوتے ہیں۔ خود زندگی ہی ایک بہت دلچسپ اور رنگین کھیل معلوم ہوتی ہے۔ یکایک وہ بہت سنجیدہ ہوگئی اور مجھ سے کہنے لگی۔ احمد مَیں نے مدد کے لیے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔ اُمید ہے آپ مجھے مایوس نہ کریں گے۔

حنا پہلے بھی مَیں آپ کو بتا چکا ہوں۔ اخلاقی حدود کے اندر رہ کر جو کچھ بھی مجھ سے ہو سکا کروں گا۔ مَیں نے گھڑی دیکھی تو چونک اُٹھا۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

حنا مَیں تھوڑی دیر کے لیے آیا تھا۔ میجر ملک میرا انتظار کر رہے ہوں گے دفتر کا سب کام یونہی چھوڑ کر آگیا تھا۔

پھر کب آؤ گے۔ حنا نے بڑے التجا بھرے انداز میں کہا۔

وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عدم صاحب بھی میری تلاش میں ہمارے کیمپ میں آ جاتے ہیں۔ اگر مَیں ان کو نہ ملوں تو وہ بہت ناراض ہوتے ہیں اور میجر ملک صاحب سے میری شکایت کرتے ہیں۔

آپ عدم صاحب کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں۔
حنا ایک تم پر ہی نہیں بلکہ دنیا کی ہر شے پر ــــ یہ سُن کر وہ مایوس ہوگئی اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔

_

مَیں حنا سے اجازت لے کر واپس کیمپ میں چلا گیا۔ ملک صاحب میرے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔
کیوں خیریت تو ہے۔ اتنی دیر کیوں لگا دی۔ میجر ملک صاحب نے مجھ سے پوچھا۔
خیریت ہے سَر۔ ایک عزیز مل گئے تھے۔ اس لیے ذرا دیر ہوگئی۔ معذرت خواہ ہوں۔
نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ ڈاک دیکھ لیں اور پھر مجھ سے آکر بات کریں۔
میجر صاحب سے فارغ ہوکر مَیں اپنے ٹینٹ میں آیا۔ میرے اردلی نے مجھے بتایا کہ دس بجے عدم صاحب آئے تھے۔ آپ ملے نہیں تو ناراض ہوکر واپس چلے گئے جاتے وقت کہہ گئے ہیں کہ شام کو اڈے پر ضرور آنا۔ یہ سُن کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ مَیں نے اپنے اردلی کو سٹینڈنگ آرڈر دے رکھا تھا کہ جب تیسری جنگ عظیم کا اعلان نہ ہو مجھے جگایا نہ کریں۔ مَیں ابھی سو رہا تھا کہ عدم صاحب کی آواز سے جاگ اُٹھا۔
اللہ یار خان (میرے اردلی کا نام تھا) احمد صاحب کہاں ہیں۔ عدم صاحب نے اس سے استفسار کیا۔
سَر ان کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ سوئے ہوئے ہیں۔
صبح تو ٹھیک تھا۔ دس بجے کہیں باہر چکر پر گیا ہوا تھا۔ اب اس کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔
نہیں سَر وہ ہسپتال گئے تھے۔
اچھا ٹھیک ہے۔ جا کر ان کو جگاؤ اور میرا بتاؤ۔

عدم صاحب مجھے لے کر راجہ اکرم کی ورکشاپ جہاں ہمارا اڈا تھا جا پہنچے۔ سب دوست جوں جوں اپنے اپنے روزمرّہ کے کاموں سے فارغ ہوتے وہاں پہنچنا شروع ہو جاتے۔ گھنٹہ دو گھنٹے خوش گپیاں کرتے چائے کا لطف اُٹھاتے۔ عدم صاحب سے شعر سُنتے اور تقریباً نو بجے ممبرانِ حلقۂ یاراں نا و نوش میں مصروف ہو جاتے ان دوستوں میں میں ایک ایسا ممبر تھا جو الگ سے بیٹھا کبھی چائے پیتا کبھی سگریٹ کے دھوئیں سے مرغولے بناتا رہتا۔ وہ سب بڑی کوشش کرتے کہ میں بھی اُن کے ساتھ شریک ہوں لیکن اس دن جبکہ میں فٹ پاتھ پر گر پڑا تھا۔ اس دن کے بعد میں نے اس زہر کو پھر کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اب میرا یہاں بیٹھنے کو جی نہ کرتا تھا۔ میں عدم صاحب کی وجہ سے وہاں جاتا تھا۔ میں عام طور پر انہیں رات کو تانگے پر بٹھا کر گھر چھوڑ کر واپس اپنے کیمپ آتا۔

حسبِ سابق اس رات بھی یہ محفل کوئی بارہ بجے ختم ہوئی۔ میں عدم صاحب کو ان کے گھر چھوڑ کر کیمپ واپس آیا تو میں نے دیکھا میرا اردلی میرے خیمے میں سویا ہوا ہے۔ میرے قدموں کی چاپ سُن کر وہ جاگ اُٹھا۔ میں نے بڑے ہی اچھے موڈ میں اس سے پوچھا۔

کیوں اللہ یار خیریت تو ہے۔ تم آج ادھر کیسے سو رہے ہو۔ اپنے ٹینٹ میں کیوں نہیں گئے۔

صاحب بڑی ضروری بات تھی۔ اگر اپنے ٹینٹ میں چلا جاتا تو آپ کے آنے کا پتہ ہی نہ چلتا۔

خیریت تو ہے۔ مجھے کوارٹر گارڈ بند تو نہیں کرنا۔ میں مذاقاً کہا۔

ابھی تو نہیں سر۔ لیکن میرا خیال ہے نوبت آنے والی ہے۔

وہ کیوں۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

صاحب وہ اس لیے کہ یہ عورت جو آپ کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ یہ تو آپ کو برباد کر کے چھوڑے گی۔

کون سی عورت اللہ یار خان - میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

صاحب وہی، کرنل کی بیگم۔ آپ کے جانے کے بعد تین دفعہ آ چکی ہے۔ آخری بار کوئی گیارہ بجے آئی اور رو رہی تھی۔ مجھ سے کہنے لگی۔ اللہ یار خان جہاں عدم صاحب اور احمد صاحب بیٹھتے ہیں تم مجھے وہاں چھوڑ آؤ۔ لیکن میں نے اس سے کہا کہ بیگم صاحبہ مجھے تو جگہ کا پتہ نہیں ہے کہ وہ کہاں ہوں گے اور پھر وہ روتی ہوئی واپس چلی گئی اور جاتی دفعہ مجھ سے یہ کہہ گئی ہے کہ جس وقت بھی احمد صاحب آئیں ان کو کہیں کہ وہ اسی وقت میرے پاس آئیں۔ میرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے۔ اگر وہ مجھ سے آج نہ مل سکے تو پھر زندگی بھر کبھی نہ مل سکیں گے۔

میں سر پیٹ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اللہ یار مجھے پریشان کن نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ میں نے اپنا اٹیچی کھولا اور اس سے اپنا پسٹل نکال کر کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ گھڑی دیکھی تو رات کا ایک بج چکا تھا۔ میں آہستہ آہستہ بوجھل قدموں سے چلتا ہوا خیمے سے باہر آ گیا۔ اللہ یار نے کوشش کی کہ میں نہ جاؤں لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی اور کیمپ کے بیرونی بیریر (BARRIER) کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے حنا کا بنگلہ تقریباً تین چار فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ سردیوں کے دن تھے۔ سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ ان پر کوئی ذی نفس دکھائی نہ دیتا تھا۔ میں حالات کے دھارے پر بہتا ہوا تلاطم خیز لہروں سے لڑتا بھڑتا کناروں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ میں ہیڈ پوسٹ آفس سے بائیں ہاتھ کو مڑ کر مین روڈ پر کچھ زیادہ دور نہ گیا ہوں گا کہ سامنے سے ایک کار آتی ہوئی مجھے نظر آئی۔ کار میرے پاس آ کر رک گئی۔ میں نے دیکھا کار میں حنا تھی۔ اس نے کار ایک طرف کھڑی کی اور باہر نکل کر دھاڑیں مارتی ہوئی دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے اسے حوصلہ دیا اور کار میں لا کر بٹھایا۔ اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی اور وہ کوئی بات نہ کر سکتی تھی۔ وہ رکتے رکتے سہمے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہنے لگی۔

احمد صاحب میں آپ کے ساتھ کیمپ میں چلتی ہوں۔ میں اب اپنی کوٹھی پر نہیں جا سکتی۔

یوں کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔
حادثہ! احمد صاحب مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ آپ حادثے کی بات کرتے ہیں۔
آخر پتہ تو چلے۔
آپ کو کیا ہے۔ آپ عدم صاحب کی محفلوں میں بیٹھ کر ساغر و مینا میں غرق رہیں میں تین دفعہ آپ کے پیچھے گئی ہوں۔ آپ کا اردلی کہتا ہے کہ اسے آپ کے ٹھکانے کا کچھ پتہ نہیں ہے۔
دیکھئے حنا فوجی کیمپ میں ویسے بھی کوئی عورت نہیں جا سکتی۔ اب رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے۔ یہ وقت تو ویسے بھی ایسا ہے کہ اگر آپ میرے ساتھ میرے ٹینٹ میں جائیں تو دیکھنے والے اس کا اچھا تاثر نہیں لیں گے۔
تو پھر کیا کریں؟
آپ کی کوٹھی پر چلتے ہیں۔ اب میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کسی قسم کا کوئی فکر نہ کریں۔

٭ — ٭

حنا میری بات مان گئی اور ہم دونوں اس کی کوٹھی پر آگئے۔ وہاں کوئی بھی غیر معمولی چیز دیکھنے میں نہیں آئی۔ کوٹھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایک ہُو کا عالم تھا۔ سب ملازمین اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ میں نے حنا کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ سعید کے کمرے کو تالا لگا ہوا تھا۔ میں نے دل میں سوچا۔ آج سعید کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ اس لیے حنا کو کسی نے لوٹنے کی کوشش کی ہے۔
حنا نے اپنے کمرے کا تالا کھولا اور میں اس کے پلنگ کے سامنے پڑے ہوئے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا اور اس کا موڈ خوشگوار بنانے کے لیے سگریٹ کیس نکالا ایک سگریٹ اُسے دیا اور دوسرا خود سلگایا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔
یور۔ ہائی نیس۔ اب ارشاد ہو۔ آپ کا یہ غلام بے دام خدمت کے لیے حاضر ہے۔

اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا چاہی لیکن پھر میری گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا اور اس کے بُری طرح اُلجھے ہوئے بالوں میں اپنی اُنگلیوں سے کنگھی کرتا رہا۔ وہ جب اچھی طرح رو چکی اور اُس کا جی کچھ ہلکا ہوا تو وہ مجھ سے کہنے لگی۔

احمد صاحب میں نے آپ کو کئی دفعہ کہا ہے کہ میں سعید کے ساتھ اب مزید نہیں رہ سکتی۔ آج اُس نے وہ کچھ کیا ہے جس کا کوئی مہذب شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حنا کھُل کر وضاحت سے بات بتاؤ۔

احمد صاحب میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کہہ کر گیا ہے کہ میں آج رات کو تمہیں قتل کر کے تمہاری لاش کو جلا کر، راکھ دریا میں بہا دوں گا۔ اور پھر اُس پر ایک انجانا خوف طاری ہو گیا اور اب وہ کچھ کہتے ہوئے ڈر رہی تھی۔

میں نے اپنی جیب سے پسٹل نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ اس سے اس کی کچھ ڈھیر بندھی۔ میں نے اُس سے کہا حنا کچھ بتاؤ گی بھی یا یونہی روتی رہو گی اور یہ وقت گذر جائے گا۔ ہم نے جو کچھ کرنا ہے وہ بھی نہ کر سکیں گے۔

بات یہ ہے احمد صاحب کل شام کو یکایک میرے سر میں بڑا شدید درد شروع ہو گیا۔ میں نے عام روائیتی سی دوائیاں لیں لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا بلکہ درد بڑھتا ہی گیا۔ میری چیخ و پکار سن کر سعید میرے کمرے میں آ گیا۔ میں نے اُسے صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ میرے پاس پلنگ پر بیٹھ کر میرا سر دباتا رہا۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ درد تھمنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ سعید نے مجھ سے کہا کہ میں ہسپتال جاتا ہوں اور آپ کے لیے دوائی لے کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ کار لے کر چلا گیا۔ کافی دیر کے بعد آیا اس کے ہاتھ میں کئی قسم کی دوائیاں تھیں۔ اس نے سب ملازمین کو کہا کہ اب آپ لوگ آرام کریں۔ بیگم صاب اب ٹھیک ہو جائیں گی۔ سب ملازم اپنے اپنے کمروں کو چلے گئے۔ سعید نے مجھے دو گولیاں دیں جو میں نے پانی کے ساتھ لے لیں اور پھر فوراً ہی اس نے مجھے ایک انجکشن لگایا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میرے درد میں کمی واقع ہونا شروع ہو گئی۔ لیکن اُس کے ساتھ ساتھ مجھ پر غنودگی

بھی طاری ہونے لگ گئی۔ وہ میرے پاس ہی بیٹھا میری حالت کا جائزہ لیتا رہا تھوڑی ہی دیر میں مجھ پر مکمل غنودگی چھا گئی اور پھر مجھے کچھ خبر نہیں رہی۔

میں دوسرے دن شام تک اپنے بستر پہ بے ہوش پڑی رہی۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے ہوش آتا تھا۔ پھر نیند آجاتی تھی۔ آخر کار پورے چوبیس گھنٹے کے بعد آج شام کو تقریباً سات آٹھ بجے مجھے اچھی طرح ہوش آیا۔ میں حیران ہوگئی۔ میری شلوار اُتری ہوئی تھی اور اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میرے ساتھ کسی نے بے ہوشی کی حالت میں زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ شواہد سے مجھے یقین ہوگیا کہ یہ انسانیت سوز حرکت سعید نے کی ہے میں بستر سے اُٹھی۔ شلوار پہنی۔ شلوار کی آلودگی بھی اس فعلِ شنیع کا ایک بین ثبوت تھا میں نے عارف کو آواز دی۔

بابا ادھر آنا۔

جی آیا بیگم صاحب اور وہ جلدی سے میرے کمرے میں آگیا۔

بابا کرنل صاحب کہاں ہیں۔

بیگم صاحب وہ صبح ناشتہ پر بھی نہیں تھے۔ ان کا کمرہ بند تھا۔ ڈرائیور سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ ایک ضروری کام سے رات ہی کو پنڈی چلے گئے تھے۔

حنا اتنا ذلیل کوئی مرد نہیں ہوتا کہ وہ کسی مردہ یا بے ہوش عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے۔

احمد صاحب آپ سعید کو اچھی طرح نہیں جانتے یہ اخلاق کی سب حدود پھلانگ سکتا ہے۔

لیکن حنا اس معاملے میں اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کو جتنا ہوا دو گی۔ آپ ہی کی بے عزتی ہوگی۔ سب لوگ حتیٰ کہ جنرل صاحب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آپ کرنل سعید کی بیگم ہیں۔ اگر آپ ان کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں گی تو اس امر سے کسی اچھائی کا تو کوئی امکان نہیں ہے۔ سب یہی کہیں گے کہ حنا کرنل سعید کی کیپ (KEEP) تھی۔ میں سمجھتا ہوں اس سے مزید رسوائی ہوگی۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ آپ اس کو کہیں کہ وہ

آپ کوٹھی خالی کر دے۔ یا میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہاں سے شفٹ ہوکر کسی بڑے سٹیشن پر چلی جائیں۔ وہاں جاکر نئے سرے سے اپنا گھر بسالیں۔ اور اس کے بعد جو مناسب ہو کریں۔
ٹھیک کہا ہے آپ نے۔ مجھے ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اس معاملے میں آپ کی مدد کی بھی ضرورت ہوگی۔

میں تیار ہوں۔ میں جس قابل ہوا آپ کی خدمت کرنے میں خوشی محسوس کروں گا۔
میرا یہ خیال ہے کہ آپ ایک ماہ کی چھٹی لے لیں اور میرے ساتھ لاہور فلیٹیز میں رہیں۔ پھر آئندہ کا لائحہ عمل ہم وہاں طے کرلیں گے۔
لیکن لیور۔ ہائی نیس آپ از راہ کرم مجھے اس دلدل میں نہ گھسیٹیں۔
کیا آپ ہر مشکل وقت میں میرا ساتھ نہ دے سکیں گے۔
حنا! آپ کا معاملہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ میں بہت ہی معمولی اور چھوٹا سا فوجی افسر ہوں۔ میں اتنا بوجھ نہ اُٹھا سکوں گا۔
چلیں چھوڑیں آپ اس قصے کو۔ آپ کچھ دنوں کے لیے میرے ساتھ لاہور آئیں۔ وہاں اطمینان سے صلاح مشورہ کریں گے۔ میں نے جو بھی قدم اُٹھایا وہ آپ کے مشورے کے بعد ہی اُٹھاؤں گی۔
میں کتنی چھٹی لوں۔
کم از کم ایک ماہ تو ہو۔ حنا نے کہا
یہ بات تو دو چار دن ہی میں طے کی جاسکتی ہے۔
چلیں آپ بیس دن کی چھٹی لے لیں۔

٭—٭

میں نے بیس دن کی ضروری چھٹی کی درخواست دے دی۔ پندرہ دن کی چھٹی منظور ہوگئی۔ اور میں حنا کے ساتھ اس کی کار میں لاہور چلا گیا۔ جانے سے پہلے جب میں سامان سنبھال رہا تھا تو میرے اردلی اللہ یار خان نے مجھ سے پوچھا۔
صاحب خیریت تو ہے آپ کہاں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

اللہ یار مَیں نے لاہور جانا ہے ۔

صاب لاہور کے لیے دو چار روز کی چھٹی ہی کافی ہے ۔ آپ نے یہ پندرہ دن کی چھٹی کیوں لی ہے ۔ اس سوہنی کُڑی کے ساتھ تو کہیں نہیں جا رہے ۔

نہیں اللہ یار میرا ایک شاعر دوست میو ہسپتال میں سخت بیمار ہے ۔ اس کے پاس رہوں گا ۔ اس کا کوئی عزیز نہیں ہے ۔ مَیں اس کی تیمار داری کروں گا ۔ اور وہ ہنس پڑا ۔ جیسے اُسے میری بات کا یقین نہ آرہا ہو ۔

شام کے چار بجے حنا کا ڈرائیور مجھے لینے کے لیے آگیا ۔ اللہ یار نے میرا اٹیچی اُٹھا کر کار کی ڈگی میں رکھ دیا ۔ اور مَیں کیمپ سے حنا کی کوٹھی پر چلا گیا ۔ چائے پی تھوڑی دیر تک گپ شپ کی ۔ حنا کہنے لگی ۔

لاہور تو صبح سویرے جائیں گے ۔ آئیے بازار سے کچھ شاپنگ کریں ۔

اس نے بہت سا سامان اپنے لیے اور میرے لیے خریدا اور پھر ہم کچھ پھل وغیرہ لیکر واپس کوٹھی پر آگئے ۔ کھانے کا وقت ہوگیا تھا ۔ عارف نے کھانا لگایا ۔ مَیں نے اور حنا نے اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھایا ۔ حنا کہنے لگی ۔

احمد صاحب آپ یقین جانیے ۔ اپنی امی اور ابو کے بغیر آج تک مَیں نے کسی آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا ۔

اُس بڈھے مہاراجہ کے ساتھ بھی نہیں ۔

نہیں اس کے ساتھ مَیں کھانا کھاتی ہی نہ تھی ۔ میرا ایک مسلمان تھا وہ میرے لیے حلال کھانا الگ پکایا کرتا تھا اور مَیں اکیلی ہی کھاتی تھی ۔

سعید کے ساتھ بھی کبھی نہیں کھایا ۔

روٹین میں کبھی نہیں کھایا ۔ کبھی شاید کسی موقعہ پر گھر سے باہر کھا لیا ہو تو یاد نہیں پڑتا ۔
کھانا کھانے کے بعد مَیں نے حنا کو کہا کہ مَیں بہت تھکا ہوا ہوں ۔ جلد سونا چاہتا ہوں میرا بستر اسی کمرے میں لگوا دیں جس میں آپ پہلے دن مجھے فرنٹے پاتھ سے اُٹھا کر لائی تھیں تو سلایا تھا ۔ وہ ہنس پڑی مجھے یوں لگا جیسے بہار کھلکھلا کر ہنس پڑی ہو اور میری حیات پُر الم

کے خزاں رسیدہ چمن میں نکہتوں کے کارواں اور رنگ و نور کا ایک سیلاب اُمنڈ آیا ہو۔ میں نے پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت اور خلوص کے جذبات دیکھے۔

حضور وہ کمرہ تو صاف نہیں ہوگا۔ آپ یہاں میرے کمرے ہی میں سو جائیں۔

یور۔ ہائی نیس۔ یہاں دوسرا پلنگ نہیں لگ سکتا۔ سپیس (SPACE) کم ہے۔

حضور والا۔ آپ میرے پلنگ پر سو جائیں۔ میں نیچے قالین پر سو جاؤں گی ویسے بھی مجھے کمر کا درد ہے۔

نہیں شکریہ۔ دو منٹ لگیں گے۔ میں اس کمرے کی صفائی کر لیتا ہوں اور پھر بستر وہاں ہی لگاؤں گا۔

جی نہیں۔ آپ یہاں ہی سوئیں گے۔ باتیں کریں گے۔ میں آپ کو میٹھی میٹھی کہانیاں سناؤں گی۔

میں کوئی بچہ ہوں کہ آپ مجھے کہانیاں سنائیں گی۔

بچے ہی کہانیاں سنتے ہیں۔ بڑے نہیں سنتے۔ اور تم تو مجھ سے چھوٹے ہو۔

لیکن حنا میں تھکا ہوا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔ یہاں تو رات بھر ہم باتیں ہی کرتے رہیں گے۔

احمد صاحب۔ یہ پیار کی باتیں ہی حاصلِ زندگی ہیں۔

آخر کار ہم دونوں میں یہ فیصلہ ہوا کہ دونوں ہی نیچے قالین پر سوئیں گے۔ حنا نے دونوں بستر ساتھ ساتھ لگا دیے۔ میں نے اپنے بستر میں بیٹھتے ہی رضائی لپیٹ لی۔ حنا مجھ سے باتیں کرنا چاہتی تھی اور مجھے سخت نیند آ رہی تھی۔ میں ہوں، ہاں ہی میں جواب دیتا رہا۔ حنا نے تنگ آ کر میرے اوپر سے رضائی کھینچ کر الگ کر لی۔

حنا مجھے خدا کے لیے سونے دو۔ سخت نیند آ رہی ہے۔

آپ سو جائیں گے یا لوری دوں۔

بابا آپ میری رضائی واپس کریں میں لوری کے بغیر ہی سو جاؤں گا۔

اُس نے اُٹھ کر اپنا بستر کھینچ کر میرے بستر کے بالکل ساتھ کر دیا۔ مجھ پر رضائی ڈال دی۔

اور تھوڑی دیر تک میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مجھ سے میٹھی میٹھی، پیاری پیاری باتیں کرتی رہی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کے تنفس میں تیزی آ گئی ہے۔ میں جلد ہی سو گیا۔ نہ جانے وہ کب تک جنس کے دہکتے ہوئے جہنم کی آگ میں جلتی رہی۔ میں صبح نماز پڑھنے کے لیے اُٹھا تو وہ تھک ہار کر سو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر یاسیت اور محرومی کا ایک کربناک تاثر نہایت واضح تھا۔ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ بابا عارف میرے لیے بیڈ ٹی (BED TEA) لے آیا۔ میں نے بابا سے کہا۔

بابا بیگم صاحبہ کے لیے چائے نہیں لائے۔

سرکار وہ تو کہیں دس بجے جا کر اٹھیں گی۔ اس گھر میں میں نے آپ کو پہلا آدمی دیکھا ہے جس نے نماز پڑھی ہے۔ نہ کرنل صاب نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی بیگم صاحب۔

ہماری باتیں سُن کر حنا کی آنکھ کھل گئی۔

بابا میں سُن رہی ہوں جو آپ حاجی صاحب سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس نے لفظ حاجی پہ زیادہ زور دیا اور طنزیہ لہجے میں کہا۔

بابا جھینپ گیا اور جلد ہی واپس کچن کی طرف چلا گیا۔ حنا نے میرے ہاتھ سے چائے کی پیالی اُچک لی اور خود پینے لگ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی اُٹھ گئی۔ نہا دھو کر ہم لاہور جانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ حنا نے اپنے لیے فلیٹیز میں ایک کمرہ بک کروایا تھا۔

ہم کوئی دس بجے کے قریب روانہ ہوئے اور دو بجے لاہور پہنچ گئے۔ ملازمین نے گاڑی سے سارا سامان اُتارا اور ہمیں استقبالیہ (RECEPTION) میں لے گئے۔ وہاں پہلے ہی ہمارے نام درج تھے۔ ہماری آمد پر انہوں نے ہمارا سیٹ کنفرم کر دیا اور وہی ملازم ہمارا سامان اٹھا کر وہاں لے گئے۔ دو صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے۔ نہایت صاف ستھرا اٹیچ باتھ تھا کمروں میں نہایت اعلیٰ اور شاندار قالین بچھے تھے۔ غرضیکہ سب ضروری سہولتیں میسر تھیں۔ میں معمولی درجے کا ایک فوجی اور وہ بھی دیہاتی۔ میں نے اس اعلیٰ پائے کے ہوٹل کہاں دیکھے تھے۔ میں وہاں کے ایٹی کیٹس (ETIQUETTES) سے بھی واقف نہ تھا۔ اس لیے اپنے آپ کو اور بھی کمتر محسوس کرنے لگا۔

حضور گھبرائیے نہیں آپ ایک آدھ دن میں یہاں کے ماحول سے واقف ہو جائیں گے حنا نے میری نفسیاتی کیفیات کو بھانپتے ہوئے کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں تو اس طرح کی لائف میں بڑی گھٹن محسوس کرتا ہوں۔

حضور والا! میں آپ کو آؤٹ ڈور (OHT DOOR) میں زیادہ بزی (BHSSY) رکھوں گی۔

دوپہر کا کھانا کھا کر میں سو گیا۔ حنا اپنے کچھ کاغذات سارٹ آؤٹ (SART OHT) کرتی رہی۔ مجھے تب پتہ چلا کہ اس نے اپنے نرم اور ملائم ہاتھوں سے میری گالیں تھپتھپائیں میں نے آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے اسے اسلام علیکم کہا۔

اٹھو واش (WASH) کر لو۔ چائے پی کر انار کلی چلتے ہیں۔ رات گئے تک ہم انار کلی میں پھرتے رہے۔ حنا نے کافی شاپنگ کی۔

میں نے وہاں سینکڑوں خوب صورت اور جوان عورتیں دیکھیں۔ لیکن حنا کے مقابلے میں وہ سب ہیچ تھیں۔ ہم جدھر سے گذرتے لوگ حنا کو دیکھتے رہ جاتے۔ ہم کوئی رات کو لو بجے ہوٹل واپس آئے۔ کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ گئے۔ کافی دیر تک حنا جو چیزیں لائی تھی ان کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔ پھر بچوں کی طرح خوش ہو جاتی۔ مجھے ایک ایک کر کے اس نے سب چیزیں دکھائیں۔ میری پسندیدگی پر اس نے بے انتہا خوشی کا اظہار کیا۔

ہم لباس تبدیل کر کے سونے کی تیاری کرنے لگ گئے۔ میں جب اپنے بستر میں لیٹ گیا تو وہ بھی میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ کہنی کے سہارے اس نے ٹیک لگاتے ہوئے اپنا چہرہ میرے منہ کے قریب کر لیا۔ ہم فوجیوں کو عام طور پر چونکہ عورت کی قربت میسر نہیں ہوتی اس لیے میں ذہنی طور پر بڑا اپ سیٹ (SET - HP) ہو گیا۔ چونکہ اس معاملے میں فطرتاً بڑا شرمیلا اور بزدل ہوں۔ اس لیے میری طرف سے کوئی پیش رفت نہ ہوئی۔ وہ مجھ سے کہنے لگی۔

احمد صاحب میں آپ سے جو باتیں کرنا چاہتی تھی وہ ہم جہلم میں نہ کر سکتے تھے۔ آپ

کو اپنی ڈیوٹی پر جانے کی جلدی ہوتی تھی۔ میری کوٹھی پر سعید ہمیں ڈسٹرب کرنے کے لیے ہر وقت موجود ہوتا تھا۔

فرمائیے ایسی کون سی بات ہے جو ہم نے اب تک نہیں کی۔

بات یہ ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ شادی کرلیں۔

یہ بات تو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

سرسری طور پر کی تھیں اب میں نہایت سنجیدگی سے یہ بات تم سے کہہ رہی ہوں۔

لیکن آپ تو کہتی تھیں کہ میرے اندر کی عورت مر چکی ہے۔

ٹھیک ہے تمہارا جہ سے شادی کرنے کے بعد مر چکی تھی۔ سعید نے میری اس نفسیاتی الجھن میں مزید اضافہ کر دیا لیکن نہ جانے آپ سے ملنے کے بعد میں یکایک اپنے آپ کو بھی جوان اور جذبات سے بھرپور عورت محسوس کرنے لگی ہوں۔

لیکن حنا میں نے آپ کو پہلے بتایا ہے۔ میری بیوی ہے۔ دو بچیاں ہیں۔ میں بغیر کسی معقول وجہ کے کیسے اُن کو کرب و اذیت کے جہنم میں جھونک سکتا ہوں۔

احمد صاحب بات یہ ہے کہ آپ جس سٹیشن پر کہیں میں وہاں ایک بڑا سا پلاٹ لے کر دو الگ الگ رہائشی سیٹ تعمیر کرا دوں گی۔ ان دونوں کے درمیان میں آپ کا ایک الگ کمرہ اور ڈرائنگ روم ہوگا۔ آپ بے شک اپنے بیوی بچوں کے ساتھ وہاں رہیں انشاء اللہ آپ کی بیگم مجھ سے کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ آپ ملازمت چھوڑ دیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے میرے پاس اتنی دولت ہے کہ اگر میں سو سال بھی اسے اس طرح خرچ کرتی رہوں تو ختم نہ ہوگی۔

حنا بات یہ ہے کہ میں ایک دیہاتی آدمی ہوں۔ ہماری کچھ اپنی علاقائی اور خاندانی روایات ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہمارے دیہی معاشرے میں مرد کام کرتا ہے۔ عورت گھر کا کام اور انتظام و انصرام کرتی ہے۔ عورت کی کمائی ہمارے ہاں کوئی مرد نہیں کھاتا۔ دوسرا ہم شہروں میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ آپ میرے ساتھ گاؤں آجائیں گی تو اس ضمن میں میں یہ عرض کروں گا کہ ایک ایسی عورت جو شاہی محلات میں پلی بڑھی ہو۔ تاج محل

فلیٹیز اور فلیش پین میں قیام کرتی ہو۔ وہ گاؤں کی گندی گلیوں اور کچے مٹی کے گھروندوں میں اپنے آپ کو کیسے محبوس رکھ سکتی ہے۔

حضور والا جب آدمی کے سامنے کوئی مقصد ہو تو وہ بڑی سے بڑی قربانی بھی دے سکتا ہے۔ میں آپ کو فلیٹیز کی طرح کے دو عالی شان محلات نما مکان گاؤں میں تعمیر کروا دوں گی۔

حنا بات تو پھر بھی عورت کی کمائی پر منتج ہوگی۔

احمد میں کوئی بیسوا ہوں کہ آپ میرے جسم کی کمائی کھا رہے ہیں۔ مجھے حالات و واقعات نے ایسی ڈگر پر چلنے پر مجبور کیا کہ میں مہاراج کے حرم میں چلی گئی لیکن مجھے جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور میں اس سے الگ ہو گئی۔

حنا یہ بھی جسم فروشی کی ایک قسم ہے۔ اتنے ہیرے جواہرات مہاراج ایک عام سی عورت کو کیوں نہیں دیتے۔ تم میں کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے۔ کیا سب عورتوں کی جسمانی ساخت ایک سی نہیں ہوتی۔

ہوتی ہے۔ کیا سب مرد جسمانی طور پر ایک سے نہیں ہوتے۔

بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں۔

پھر تم میں اور سعید میں کیا فرق ہے؟

کوئی فرق نہیں۔ وہ بھی مرد ہے۔ میں بھی مرد ہوں۔

پھر میں اس سے کیوں شدید نفرت کرتی ہوں اور تم سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔

اس کیوں کا جواب آپ اپنے دل کی گہرائیوں میں تلاش کریں۔

حضور میرا تو جو دل چاہتا۔ وہی کرتی ہوں اور دل ہی کی راہنمائی قبول کرتی ہوں۔

٭ ـــ ٭

مجھے سردی لگ رہی ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ میرے ساتھ بستر میں لیٹ گئی۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا اور ذہنی طور پر بڑا اپ سیٹ ہو گیا۔

کیوں جناب آپ مجھ سے ڈرتے کیوں ہیں۔ آپ کو کھا تو نہیں جاؤں گی۔

کھا تو نہیں جائیں گی۔ لیکن حنا میری روح مجروح ہو جائے گی۔ میں آپ کے سامنے حلف اُٹھا کر کہتا ہوں کہ میں آج تک کسی غیر عورت کے ساتھ نہیں سویا۔ اور نہ سو سکتا ہوں۔

کسی بات پر آپ میرے ساتھ کمپرومائیز (COMPROMISE) کر سکتے ہیں۔

کر سکتا ہوں۔

کس بات پر۔ کھل کر بات کرو۔

آپ کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ اخلاق کی حدود کے اندر رہ کر آپ سے تعلقات استوار کر سکتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے ہم اس طرح دو اچھے دوستوں کی طرح اکٹھے رہ سکتے ہیں۔

احمد صاحب ایسے تعلقات ناپائیدار ہوتے ہیں۔ میں نے اور سعید نے ساتھ رہ کر یہ تجربہ بھی کر لیا ہے۔

تو کیا آپ میرے ساتھ شادی کر کے گاؤں میں وہاں کی عورتوں کی طرح بود و باش اختیار کر سکتی ہیں۔

کیوں نہیں۔

کیا آپ کار۔ کوٹھی۔ ملازمین اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کے بغیر وہاں رہ سکیں گی۔

کیا ان چیزوں کے ہوتے ہوئے میں آپ کے ساتھ وہاں نہیں رہ سکتی۔

ناممکن۔ ہماری عورتیں مرغ کی پہلی آذان کے ساتھ اُٹھتی ہیں۔ چکی پیستی ہیں۔ نالہ گمبھیر ہم سے دو میل دور ہے۔ وہاں سے پانی لاتی ہیں۔ گھر کی صفائی کرتی ہیں۔ دودھ بلوتی ہیں۔ کھانا پکاتی ہیں۔ پھر اپنے مردوں کو کھیتوں میں کھانا دینے جاتی ہیں۔ وہاں سے فارغ ہو کر بیلوں کے لیے چارہ کاٹتی ہیں۔ شام کو گھر آتی ہیں۔ بیلوں کو چارہ ڈالتی ہیں بچوں کو نہلاتی دھلاتی ہیں۔ سب گھر والوں کے کپڑے نالے پر دھونے کے لیے جاتی ہیں۔ پھر واپس آ کر رات کا کھانا پکاتی ہیں۔ سب کو کھلاتی ہیں۔ پھر برتن دھوتی ہیں۔

اور پھر سب گھر والوں کے لیے چار پائیاں اور بستر باہر نکالتی ہیں۔ دودھ دوہتی ہیں۔ یہ کام کرنے کے بعد وہ کہیں جا کر فارغ ہوتی ہیں۔ اس محنت و مشقت سے تھک ہار کر ان کا بدن چور چور ہو جاتا ہے۔ وہ کافی دیر کے بعد سوتی ہیں اور پھر دوسرے دن اسی روٹین میں منہمک ہو جاتی ہیں۔ ان کی یہ جان لیوا روٹین زندگی بھر یونہی چلتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ قبروں میں چلی جاتی ہیں۔

اب تم ہی بتاؤ جو عورت یہ کام نہ کرے بلکہ صبح دس بجے سو کر اُٹھے۔ بیڈ ٹی پیے تو اس کی جان میں جان آئے۔ ملازم اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں۔ ایسی عورت اُن عورتوں کے ساتھ کیسے مکس اپ (MIX - UP) ہو سکتی ہے۔ ہماری عورتیں عام شہری عورتوں کو اُن کے لباس، وضع قطع اور طور اطوار کی وجہ سے بھی پسند نہیں کرتیں۔ وہ ایسی ہر عورت کو محض ایک نمائشی عورت سمجھتی ہیں۔ جو گھروں سے باہر اپنے جسموں، کپڑوں اور زیب و زینت کی نمائش کرتی ہیں۔ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے میں اگر کسی ایسی عورت کو ساتھ گاؤں لے جاؤں تو وہ مجھے بھی عزت کی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ ایک دن کی بات نہیں۔ گاؤں کا ہر چھوٹا بڑا۔ بوڑھا۔ جوان۔ عورتیں۔ بچیاں سب یہی کہیں گے کہ میں بھی کسی بیسوا کو چکلے سے اُٹھا کر لے آیا ہوں۔ نہیں۔ نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

کیا چکلے والی عورتوں کو یہ سب سہولتیں میسر ہیں جو مجھے ہیں۔

اُن کا بھی اپنا اپنا معیار ہوتا ہے۔ میرے دوست بتاتے ہیں کہ لاہور ہیرا منڈی میں دو طوائفیں ایسی ہیں جو کسی زمانے میں ہندو مہاراجوں کی رانیاں رہی ہیں اور ان ہندو راجاؤں کو وہ محرم کے دنوں میں ننگے پاؤں تعزیے کے جلوسوں کے ساتھ میلوں پیدل چلاتی تھیں۔ اب آپ کیا سمجھتی ہیں ان کے اور وہاں ایک عام کوٹھے پر بیٹھنے والی عورت کا سٹینڈرڈ برابر ہوگا۔

احمد صاحب آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں۔ میں بھی ایک ہندو مہاراجے کی مہارانی رہی ہوں۔ کیا میں بھی اب کوٹھے پر جا کر بیٹھوں گی۔

حنا میں آپ کے متعلق تو بات نہیں کر رہا۔ آپ کیوں الرجک (ALLERGIC) ہوگئی ہیں۔

چھوڑیے اس قصے کو۔ میں اب سمجھ گئی ہوں کہ آپ مجھے اپنانے میں محض اس وجہ سے پس و پیش کر رہے ہیں اور وہ اٹھ کر اپنے بستر پر چلی گئی۔ وہ کافی دیر تک بیقراری سے پہلو بدلتی رہی۔ پھر اس نے مجھ سے بات نہ کی۔ میں جلد ہی سو گیا۔

دوسرے دن صبح میں نے حنا سے کہا۔

آپ نے مجھ سے یہی بات کرنی تھی یا ابھی کوئی اور بات کرنا باقی ہے۔

نہیں بہت شکریہ آپ کا۔ بس یہی بات تھی۔ میں آپ کو ستارۂ رہبری سمجھتی تھی۔ وہ خود گہنا گیا ہے۔ میری کیا راہنمائی کرے گا۔ مجھے خود ہی اپنے لیے راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔

حنا یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اب میرا چونکہ یہاں کوئی کام نہیں ہے اس لیے میں آج شام ہی کو واپس جہلم جانا چاہتا ہوں۔

آپ کی تو پندرہ دن کی چھٹی تھی۔ یہ چھٹی یہاں گزارو، سیر و تفریح کرو۔

نہیں شکریہ۔ اس چھٹی کا اب کوئی تعمیری مصرف نہیں ہے۔ یونٹ میں جا کر یہ چھٹی منسوخ کرا دوں گا۔

اپنے گاؤں چلے جاؤ۔ بیوی بچوں کو دیکھ آؤ اور اگر کہتے ہو تو میں بھی آپ کے ساتھ چلی آتی ہوں۔ آپ کی بیگم اور بچیوں سے بھی مل لوں گی۔ مجھے بھی گاؤں کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ مل جائے گا۔

نہیں حنا۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ہیں میں ایک ماہ گاؤں میں گزار کر آیا ہوں اب میرا وہاں کوئی خاص کام بھی نہیں ہے۔

اچھا تمہاری مرضی۔

٭ ــــ ٭

ہم دونوں ناشتہ کرنے ڈائیننگ ہال کی طرف چل پڑے۔ کچھ لوگ ناشتہ سے فارغ

ہوکر واپس آ رہے تھے۔ کچھ ابھی جا رہے تھے۔ خاصی گہما گہمی تھی۔ ایک خالی میز پر ہم بھی بیٹھ گئے۔ بیرا ناشتہ لے آیا۔ ہم نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور واپس اپنے کمرے کی طرف آ گئے۔ وہ کہنے لگی۔

احمد صاحب اب میں جلد ہی واپس بمبئی چلی جاؤں گی۔ یہاں کی سوسائٹی مجھے پسند نہیں۔ میں نے پاکستان میں تقریباً چار سال گذارے ہیں۔ میں چاہتی تھی کہ پاکستان ہی میں رہوں۔ لیکن یہاں جو مرد بھی ملتا ہے وہ جنس زدہ اور لالچی ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھ سے میری آخری کوڑی بھی چھین لے۔

خدا کے لیے مہارانی صاحبہ آپ مجھے اس زمرے میں شامل نہ کیجیے۔

ہاں! آئی۔ ایم۔ ساری ——— اور جو باقی ہیں وہ بزدل ہیں۔ جو عورتوں کے سائے سے بھی ڈرتے ہیں۔

بس۔ حنا اپنی اپنی تربیت کی بات ہے۔

ہم اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ وہ بستر پر لیٹ کر اخبار دیکھنے لگ گئی اور میں نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ وہ کسی کسی وقت چوری آنکھوں سے مجھے دیکھ لیتی اور ہلکا سا مسکرا کر اخبار پڑھنا شروع کر دیتی ہے۔

میں نے اپنا لباس تبدیل کیا اور پھر اٹیچی کیس اُٹھا کر حنا کے پاس آیا۔ اچھا حنا صاحبہ خدا حافظ۔ مجھے افسوس ہے میری وجہ سے آپ کو کوفت اُٹھانا پڑی۔

اس نے اخبار سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

احمد۔ مجھے اتنا پتہ نہ تھا کہ تم اتنے زود رنج ہو۔ بچوں کی طرح ذرہ ذرہ سی بات پر روٹھ جاتے ہو۔

نہیں حنا صاحبہ میں آپ سے روٹھا تو نہیں۔

روٹھے تو نہیں اور کیا مجھے پُر خطر راہوں پہ اکیلا چھوڑ کر تم خود زندگی کی گہما گہمی کی طرف واپس جا رہے ہو۔ دو تین دن اور رہو۔ پھر چلے جانا۔

اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے رویوں کی نفی کرتے ہیں

اور ذہنی طور پر آپ سیٹ ہو جاتے ہیں اور اس طرح ایک انجانی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔
میں نے اب اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اب پاکستان میں نہ رہوں گی۔
حضور یہ آپ کی ذاتی پسند یا ناپسند کی بات ہے۔ مجھ پر کسی قسم کا دوش نہ دیں۔
نہیں احمد صاحب۔ آپ کو کوئی دوش نہیں دیتی۔ اپنی قسمت ہی کو رو رہی ہوں۔

٭ — ٭

میں نے اسے خدا حافظ کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ میرا دل پسیج گیا اور میں واپس آ گیا۔ وہ بڑی دیر تک مجھے گلے لگا کر روتی رہی۔ میں نے اس کو حوصلہ دیا۔ اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ وہ بستر پر بیٹھ گئی۔ میں اس کے سامنے ناکردہ گناہ کی پاداش میں کرب کی سولی پر لٹک رہا تھا۔

تم آج رہ جاؤ کل میں بھی تمہارے ساتھ جہلم واپس چلی چلوں گی۔ لیکن ایک شرط پر؛ اس نے مسحور کُن نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

شرط کیا ہے، کچھ پتہ تو چلے۔

حضور بہت ہی معمولی شرط ہے اور وہ یہ کہ آپ بقایا چھٹی میرے ساتھ میری کوٹھی پر گذاریں گے۔ پھر اس کے بعد بے شک آپ واپس اپنی یونٹ میں چلے جائیں۔

بات تو ایک ہی ہے جیسے چھٹی یہاں گذار لی ویسے ہی وہاں۔ میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکتا اور پھر مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں حقیقت کی دلدل میں گر کر اپنی متاعِ حیات نہ گنوا بیٹھوں۔

کیا یہ اتنی بڑی بات ہے۔

جی ہاں۔ بہت بڑی اور نہایت اہم۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ پر شوریدہ جذبات کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔ لیکن ایک وعدہ کریں۔ "آپ کبھی کبھی مجھ سے ملنے آ جایا کریں گے۔"

حنا اس بے لذت گناہ سے جان چھڑا ہیں۔

کیسے، تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ۔

کوئی مناسب سا آدمی دیکھ کر اس کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاؤ۔

احمد۔ یہ زندگی تھوڑی ہے مناسب آدمی کی تلاش کے لیے۔ آپ بھی ایک حادثے کے نتیجے کے طور پر مجھے مل گئے تھے۔ میں خوش تھی کہ چلیے اب منجدھار سے نکل کر کنارے پر جا پہنچنے کی امید لگ گئی ہے۔ لیکن یہ آس بھی ٹوٹ گئی۔

* — *

دوسرے دن ہم جہلم واپس آ گئے۔ حنا نے مجھ سے کہا کہ رات میرے پاس رہو۔ کل چلے جانا۔ لیکن میں نہ مانا اور وہ اپنی کوٹھی پر جانے سے پہلے مجھے کیمپ کے آوٹر بیریر پر اُتار کر چلی گئی۔ اس وقت بیریر کے پاس بہت سے افسر اور سردار صاحبان کھڑے تھے۔ اُن میں سے اکثر نے مجھے بڑے ہی معنی خیز انداز میں دیکھا اور مسکرا دیئے۔

وہاں سے میرا ٹینٹ قریب تھا۔ اللہ یار ٹینٹ کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھا تو دوڑ کر آ گیا۔ میرا اٹیچی اُٹھا لیا اور ہم ٹینٹ میں آ گئے۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگا۔

سر آپ تو پندرہ دن کی چھٹی لے کر گئے تھے۔ دو ہی دن میں واپس آ گئے ہیں۔

ہاں اللہ یار۔ وہ دوست جو بیمار تھا ہمارے جانے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ پھر میرے رہنے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

شکر ہے صاحب آپ بچ گئے۔ حالات تو ایسے تھے کہ آپ بھی اسی دوست کے ہمرکاب جاتے۔ اللہ نے آپ کو بچا لیا۔

اللہ یار خان میرے گاؤں کا تھا۔ مجھ سے عمر میں کافی بڑا تھا۔ بڑا جہاندیدہ آدمی تھا اس نے اپنے اندازوں سے سب حالات کو صحیح طور پر بھانپ لیا تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرنے ہی میں مصلحت سمجھی۔ کپڑے بدل کر سونے لگا تو اللہ یار کہنے لگا۔

سر آپ کی عدم موجودگی میں عدم صاحب دو تین دفعہ آئے تھے۔ چونکہ آپ اُن سے مل کر نہیں گئے۔ اس لیے وہ بہت ناراض ہیں۔

اچھا اللہ یار خان میں آج ان سے مل لوں گا۔ ان سے معافی مانگ لوں گا۔

ہاں سر اُن سے ضرور ملاقات کریں۔ ٹھیک ہے اور پھر میں سو گیا۔

٭٭٭

ایک دو دن تو حنا نہ آئی لیکن اس کے بعد اس نے پھر آنا شروع کر دیا۔ میں اُس کے قابو نہ آیا۔ جب وہ بالکل مایوس ہو گئی تو پھر اُس نے آنا چھوڑ دیا
ایک دن اس کا ایک خط مجھے ملا۔

"میں نے بمبئی واپس جانے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ کل میں کراچی کے لیے روانہ ہو رہی ہوں۔ اگر شام کو تم مجھ سے ملنے میری کوٹھی پر آجاؤ تو آخری بار ملاقات کر لیں۔"

میں شام کو اس کو کوٹھی پر نہ گیا۔ وہ ہمارے کیمپ آ گئی۔ ہیرپر متعین سنتری نے مجھے آکر بتایا کہ ایک بیگم صاحب کار میں گیٹ پر آئی ہیں اور آپ کو بلا رہی ہیں۔ میں نے اُسے کہا۔ تم جاؤ۔ وہ واپس چلا گیا۔ کوئی آدھ گھنٹے کے بعد پھر آیا اور کہنے لگا۔
سر وہ کہتی ہے۔ "میں کل صبح سویرے کراچی چلی جاؤں گی۔ دو منٹ کے لیے مجھ سے ملاقات کر جائیں۔"

میں اسی طرح سلیپنگ سوٹ اور گاؤن (GOWN) پہنے ہوئے بیریر تک گیا۔ حنا مجھے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ میرے جاننے والے مجھے دیکھتے اور مسکرا کر آگے کو بڑھ جاتے۔ وہ کہنے لگی۔

مجھے پاکستان چھوڑنے کا کوئی غم نہیں۔ لیکن تمہیں مس (MISS) کرنے کا بے حد غم ہے۔

حنا یہ فوجی کیمپ ہے۔ یہاں گیٹ پر آپ سے اس حالت میں ملنا جیسا کہ آپ زار و قطار رو رہی ہیں۔ میرے لیے رسوائی کا باعث بن جائے گا۔ اب آپ جائیے۔
اس نے فرنٹ سیٹ پر پڑا ہوا بادامی رنگ کے کاغذ میں لپٹا ہوا ایک پیکٹ اُٹھایا۔ اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔
"یہ میرا آخری ایک حقیر سا تحفہ ہے۔"

کیا ہے اس میں؟

اس میں آپ کے لیے ایک گرم سوٹ۔ آپ کی بیگم اور بچیوں کے لیے کپڑے ہیں۔

اور ساتھ اس نے مجھے ایک لفافہ دیا۔

اس لفافے میں کیا ہے؟ میں نے استفسار بھرے لہجے میں اس سے پوچھا۔

احمد صاحب اس میں آپ کے نام کا دس ہزار روپے کا ایک چیک ہے۔ آپ یہ رقم لے لیں۔ آپ کا بنک بیلنس نہیں ہے۔ کبھی زندگی میں کام آئیں گے۔

نہیں حنا میں یہ تحائف قبول نہیں کر سکتا۔ وہ پیکٹ اور لفافہ میں نے کار کی پچھلی سیٹ پر پھینک دیے اور خود کیمپ کی طرف واپس ہو گیا۔

خدا کے لیے آخری بار میری ایک بات مانیئے۔

فرمائیے کیا حکم ہے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا اور رکتے ہوئے یہ بات کہی۔

یہ پیکٹ آپ رکھ لیں۔ چیک میں واپس لے لیتی ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے کار اسٹارٹ کر لی۔ اور پیکٹ اٹھا کر میری طرف پھینک دیا اور خود جلدی سے واپس چلی گئی۔

پس پشت

حنا میری زندگی میں آئی تو میں ایک عجیب سی ہیجانی کیفیت اپنے آپ میں محسوس کرتا تھا۔ پرسکون زندگی میں ایک عجیب سا تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ میری عجیب سی ذہنی کیفیت تھی۔ میں اس کی کمپنی میں رہنا بھی چاہتا تھا اور پہلوتہی بھی کرتا تھا۔ عجیب گومگو کا عالم تھا۔ وہ دوسرے دن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کراچی چلی گئی۔ میری دنیا ویران ہو گئی۔ سورج طلوع ہوتا تھا۔ غروب ہوتا تھا۔ دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا تھا۔ لیکن میرے دل کی دنیا ویران تھی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اُسے آسانی سے مل جائے اس کی وہ قدر نہیں کرتا۔ اور جس کے حصول کے لیے وہ تڑپتا ہے۔ اس کے لیے کوہکنی کرتا ہے۔ بپھرے ہوئے دریاؤں سے لڑتا ہے۔ اور اس کے لیے جان بھی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

میں نے اس وقت محسوس کیا کہ خوبصورت عورت خوشی کا ایک ایسا لمحہ ہے جو جنت

کی وادیوں سے اس سرزمین تک آتا ہے۔ انسان اس لمحے کو پانے کے لیے تمام عمر بیقرار رہتا ہے۔

میں واپس آکر کھانا کھائے بغیر سو گیا۔ اللہ یار نے وجہ پوچھی تو میں نے بتایا کہ "طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"سر کھانا کھائیے۔ ایسے معاملات میں طبیعت دو چار دن میں ٹھیک ہو ہی جاتی ہے۔"

میں نے سنی ان سنی کر دی اور بستر میں لیٹ گیا۔

٭ ــــ ٭

میں سو کر اٹھا تو بوجھل قدموں سے چلتا ہوا ٹینٹ سے باہر آگیا۔ سورج دور مغرب میں کسی مہجور حسینہ کی طرح منہ چھپائے دریائے جہلم میں غروب ہو رہا تھا۔ ہر طرف شفق پھیلی ہوئی تھی۔ شفق کی سرخی مجھے یوں لگی۔ جیسے کوئی دوشیزہ سُنی کی آگ میں جل رہی ہو۔ میں نے حسین سپنوں سے جو دنیا بسائی تھی وہ اُجڑ چکی تھی۔ حنا کے حسین اور مرمریں جسم کی آنچ سے جو مسرت وشادمانی کی قندیلیں روشن ہوئی تھیں۔ وہ سب وقت کے بے رحم ہاتھوں نے ایک ایک کر کے بجھا دی تھیں۔

اب میرے چار دل اور گھور اندھیرا چھاتا جا رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری روح کی جوت بجھتی جا رہی ہے۔ جیسے میری تنہائیوں کے سب سہارے ڈوبتے جا رہے ہیں۔ اور میں نے جو شمع اُمید روشن کی تھی۔ غم واندوہ کی انتہاہ تاریکیوں میں اس کی لو جھلملا رہی ہے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اب اس شب غم کی کبھی سحر نہ ہوگی۔

٭ ــــ ٭

میری چھٹی کے ابھی دس دن باقی تھے۔ میں نے کراچی جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن سوچتا۔ حنا کا پتہ بھی تو نہیں نہ جانے وہ کہاں ٹھہری ہو گی۔ ایک ایک ہوٹل میں تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن عشق لاجک (LOGIC) پر یقین نہیں رکھتا۔

میں دوسرے دن صبح کسی کو بتائے بغیر اٹیچی کیس اُٹھا کر ریلوے سٹیشن چلا گیا اور وہاں سے کراچی کا ٹکٹ لے کر ایک نئے سفر پر روانہ ہو گیا۔ راستے میں میں نے پروگرام بنایا تھا کہ پہلے تاج محل جاؤں گا۔ وہاں سے حنا کی تلاش شروع کروں گا۔

میں دوسرے دن صبح کراچی پہنچ گیا۔ میں کراچی میں نووارد تھا۔ میرے پاس زیادہ پیسے بھی نہ تھے۔ سوچا اگر یہ تھوڑی سی رقم حنا کو ملنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی تو پھر دقت پیش آئے گی۔ کراچی کینٹ سٹیشن پر اُتر کر ایک رکشہ لیا اور تاج محل جا پہنچا استقبالیہ میں گیا۔ وہاں سے انکوائری کی تو انہوں نے بتایا کہ کمرہ نمبر ۹۸ میں زاہدہ حنا صاحبہ رہائش پذیر ہیں۔ میں نے ان سے گذارش کی کہ وہ ازراہِ کرم اُن کے کمرے میں فون کر کے معلوم کریں کہ کیا وہ اپنے کمرے میں تشریف رکھتی ہیں۔ ان کے انچارج نے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اور پھر اس نے ڈائل گھمانا شروع کر دیا۔

ہیلو

سر آپ کمرہ نمبر ۹۸ سے بول رہی ہیں۔ جی ہاں۔

زاہدہ حنا صاحبہ سے بات کرنا ہے۔ جناب میں زاہدہ حنا ہی ہوں۔

سر آپ سے ایک صاحب ملنے کے لیے آئے ہیں۔ کون ہیں کیا نام ہے ان کا۔

جناب آپ کا کیا نام ہے اور آپ کہاں سے آئے ہیں۔

میرا نام احمد ہے اور میں جہلم سے آیا ہوں۔ جناب احمد صاحب جہلم سے آئے ہیں۔

وہ انچارج مجھ پر بگڑنے لگا۔

"اس عورت نے تمہارا نام سنا ہے تو ٹیلی فون پٹخ دیا ہے اور کوئی بات ہی نہیں کی۔"

میں شرمندہ ہو گیا۔ میں نے اُس سے گذارش کی کہ جناب آپ مجھے اجازت دیں۔ میں خود ان کے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔ اس آدمی نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

یار تم شکل و صورت سے تو مجھے ٹھیک ٹھاک آدمی نظر آتے ہو۔ لیکن وہ عورت

تمہارا نام سن کر پریشان کیوں ہوگئی ہے۔
جناب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھ سے کوئی ایسی غلطی تو نہیں ہوئی کہ وہ مجھ سے اس قدر اکر جاک ہو۔

ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حنا دوڑتی ہوئی آئی اور روتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔ اسے ان لوگوں کی موجودگی کا کوئی احساس نہ ہوا۔ اور اس نے مجھے چومنا شروع کر دیا۔ میں ان آدمیوں کی موجودگی میں شرما گیا۔ وہ سب لوگ تصویر حیرت بنے یہ ڈرامہ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے آنسو تھمے اور کچھ دھیرج بندھی تو اس نے استقبالیہ کے انچارج سے کہا۔

ان کو میں اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔ ان کا ایڈریس نوٹ کرلیں یہ اب کچھ دن میرے ساتھ ہی رہیں گے۔

بہت اچھا سر۔ اس مونچھوں والے انچارج نے تابعداری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

حنا نے میرا اٹیچی اٹھا لیا اور دوسرے ہاتھ میں میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اپنے کمرے میں لے گئی۔ یہ ہوٹل فلیٹیز سے زیادہ صاف ستھرا اور خوبصورت تھا۔ کمرے میں سہولتیں بھی اس سے زیادہ تھیں۔ وہاں جا کر اس نے مینجر کو فون کیا کہ مجھے دس دن کے لیے ایک ڈبل روم کی ضرورت ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم دوسرے کمرے میں منتقل ہو گئے۔ وہاں جا کر میں نے لباس تبدیل کیا۔ اتنے تک حنا نے میرے لیے بریک فاسٹ منگوا رکھی تھی۔ ہم دونوں نے مل کر ناشتہ کیا۔ وہ آج جتنی خوش تھی۔ اس سے پہلے میں نے اسے اتنا خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔ ناشتہ کر کے میں اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ وہ بھی میرے پاس آ کر بیٹھ گئی اور ہم پیار و محبت کی باتیں کرتے رہے۔ یہ دس دن ایک عجیب سی انجانی آگ میں ہم دونوں جلتے رہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ یہی ان دیکھی اور انجانی آگ ہم دونوں کی حاصلِ زندگی تھی۔ اس انجانی آگ کی تپش نے ہم دونوں کو ایک ان دیکھے بندھن میں باندھا ہوا تھا۔ اگر شوریدہ جذبات کی یہ آگ ٹھنڈی

پڑ جاتی تو پھر ہم دونوں کی چاہت کی موت واقع ہو جاتی اور ہم کبھی کے جُدا ہو چکے ہوتے۔

مَیں سوچتا ہوں ہماری خوشیاں، ہمارے رنج کتنے عارضی ہوتے ہیں۔ ہر رنج اور خوشی ناپائیدار ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ دنیا کے ہنگاموں میں گم ہو جاتے ہیں۔ حنا جہلم سے چلی آئی تو مَیں اس سے بچھڑ کر یونہی ایک بے نام سی افسردگی محسوس کرنے لگا۔ مَیں سمجھتا تھا جیسے میری کوئی عزیز شئے مجھ سے گم ہو گئی ہے۔ اس میں حنا کا کوئی قصور نہ تھا بلکہ تمام تر غلطی میری ہی تھی۔ مَیں سمجھتا تھا کہ اب مَیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جرم کی پاداش میں مسرت اور خوشی کے پُر رونق ایوان سے نکال دیا گیا ہوں۔ اور اب حزن اور اذیت کے المناک بادل تھے جو میری زندگی کے اُفق کو لمحہ بہ لمحہ محیط کیے جا رہے تھے۔

مَیں نے بہت جلد اس ذہنی کش مکش سے چھٹکارا پا لیا۔ اور کراچی حنا کے پاس آگیا۔ مَیں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بھی اسی طرح کی ذہنی کش مکش سے حنا بھی دوچار رہی ہو گی۔ مَیں نے اس ذہنی خلفشار سے چھٹکارا پانے کے لیے کراچی کا سفر اختیار کیا۔ دل کے کسی انجانے گوشے میں موہوم آرزوؤں کا ایک دیا جلنے لگ گیا۔ اس روشنی سے میری زندگی کی تاریک راہیں جگمگا اُٹھیں۔

روشنی زندگی ہے۔ اندھیرا موت ہے۔ ہم دونوں ایک دو دن تک تو ذہنی طور پر بڑے اپ سیٹ رہے۔ لیکن پھر ہم نے آہستہ آہستہ جنسی خلفشار کی شوریدگی پر قابو پا لیا۔ مَیں سمجھتا ہوں حنا بڑے مضبوط قوا کی مالکہ تھی۔ اس نے باوجود جنس کے بے پایاں سمندر کی تلاطم خیزیوں کے، کبھی بھی تھک ہار کر اپنے آپ کو جذبات کے سپرد نہیں کیا۔ دو دن کے بعد یہ شوریدہ سری کچھ کم ہو گئی اور ہم ایک دوسرے پر زیادہ اعتماد کرنے لگ گئے۔ وہ گھنٹوں اپنا بازو میرے سر کے نیچے رکھے میرے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہتی۔ ہم دونوں اکٹھا سوتے لیکن خدا کے فضل سے کبھی جنسی آلودگی کا مرحلہ نہ آیا۔ مَیں سمجھتا ہوں ہمارا یہی جذبہ ہے جو ہم دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہونے دیتا تھا۔ ایک رات وہ مجھ سے کہنے لگی۔

اگر تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے تو نہ کرو۔ ہم دو دوستوں کی طرح اسی طرح اکٹھے

توڑ سکتے ہیں۔ اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم بڑے سٹرانگ نروز (STRONG NERVES) کے آدمی ہو اور اس منزل سے آگے ہرگز تجاوز نہیں کرو گے۔

لیکن حنا ہم دونوں کے لیے میڈیکلی (MEDICALLY) یہ بڑا نقصان دہ ثابت ہوگا۔ جنس کو دبایا نہیں جا سکتا۔ یہ ایک تند و تیز سیلاب ہے جو اپنے لیے خود راستہ بنا لیتا ہے اور اس کے راستے میں آنے والی ہر شے کو وہ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔

تم بھی چلے آؤ میرے ساتھ۔ اُس نے ایک التجا کے انداز میں کہا۔

حنا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں بیوی بچوں کو چھوڑ کر ایک گناہ بے لذت کی خاطر اپنا ملک چھوڑ دوں۔ پتہ نہیں ہم وہاں خوش رہ سکیں گے یا نہیں۔

میں تمہیں دنیا کی ہر نعمت مہیا کروں گی۔

حنا۔ اولاد سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہے جو اللہ نے مجھے یہاں عطا کر رکھی ہے۔

احمد تم نہیں جانتے میں تم سے جدا ہو کر ایک اذیت ناک جہنم میں جل رہی تھی۔ تم آئے تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مجھے یقین تھا کہ تم یوں اتنی آسانی سے مجھے نہ بھول سکو گے۔ تمہاری اس بات سے میں اتفاق کرتی ہوں کہ ہم دونوں جس اَن دیکھی آگ میں جل رہے ہیں۔ یہی ٹھنڈی اور میٹھی آگ ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیتی۔ یہ آگ بجھ گئی تو ہماری محبت کی موت واقع ہو جائے گی۔ میں اس بات کو اب سمجھی ہوں۔ اس لیے تمہارے اس جذبے کی قدر کرتی ہوں اور تمہیں ایسے حالات و واقعات سے دوچار نہیں ہونے دوں گی۔ جس سے اس آگ کی شوریدہ سری کے بجھ جانے کا خطرہ ہو۔ مجھے اس ٹھنڈی اور میٹھی آگ میں آہستہ آہستہ سلگتے رہنے میں بڑا مزہ آتا ہے تم سے ملنے سے پہلے میں اس جذبے کی باطنی قوت سے آگاہ نہ تھی۔ تم نے مجھے جینے کی ایک صحت مند راہ دکھائی ہے۔

حنا یہ صحت مند تب ہے کہ جب ہم میں جنسی جذبہ بیدار ہی نہ ہو۔

احمد میرا خیال ہے کہ اگر تم مستقل طور پر میرے ساتھ رہو تو ہم اس بہیمانہ جذبے

پر بھی قابو پالیں گے۔
لیکن حنا میں بمبئی تو تمہارے ساتھ نہیں آسکتا۔
اگر تم کہو تو واپس چلی آتی ہوں۔ جس سٹیشن پر تم کہو میں وہاں اپنے لیے کوٹھی خرید لوں گی۔ تمہیں میری تمام آفرز (OFFERS) اب تک اپنی جگہ پر قائم ہیں۔
میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور میں آنسو پی جانے کی ایک ناکام سعی کو شش کرنے لگا۔
کیوں خیریت تو ہے تمہاری آنکھیں کیوں بھر آئیں۔
حنا مجھے اپنی بے چارگی اور مجبوریوں پر رونا آرہا ہے۔
احمد صاحب میں آپ کو مجبور نہیں کرتی۔ ہر آدمی کی اپنی اپنی لمی ٹیشن (LIMITA-TIONS) ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے حالات وواقعات کے مطابق ہی اپنے لیے مستقبل کی راہوں کا تعین کرتا ہے۔
سچی بات تو یہ ہے حنا کہ میں اپنے حالات سے چھٹکارا ابھی نہیں پا سکتا اور نہ ہی تمہیں چھوڑ سکتا ہوں۔
احمد صاحب میں پہلی بار آپ سے جہلم میں ملی تھی اس وقت سے لے کر اب تک میں ایک موہوم اُمید کے سہارے ہی یہ دن کاٹتی آرہی ہوں۔
حنا مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ موجودہ حالات وواقعات کے تحت نہ ہم اکٹھے رہ سکتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے جدا ہو سکتے ہیں۔
احمد جتنی کمپنی آپ کی مجھے یہاں میسّر ہے اگر اتنی ڈی دوشن (DEVOTION) آپ مجھے دے سکتے ہیں تو میں جہلم واپس آنے کے لیے تیار ہوں۔
جہلم والی کوٹھی ابھی آپ نے چھوڑی نہیں ہے۔
کوٹھی چھوڑ دی ہے۔ ملازمین کو فارغ کر دیا ہے۔ وہ کم بخت سعید بھی اپنا سامان میس (MESS) میں اُٹھا کر لے گیا ہے۔
پھر نئے سرے سے آپ کو گھر بسانا پڑے گا۔
یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ آپ کی رضا کی خاطر میں سب کچھ کر گزرنے کے لیے

تیار ہوں۔
حنا میری فوجی ملازمت آج ہے تو کل نہیں۔
تم یہ ملازمت چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔
کھاؤں گا کہاں سے۔ بیوی بچوں کی کفالت کیسے کروں گا۔
حضور آپ کی یہ خادمہ حاضر ہے۔
نہیں حنا جس معاشرے میں میں پلا بڑھا ہوں۔ اس میں عورت کی کمائی پر زندہ رہنا ایک لعنت سمجھا جاتا ہے۔ آئی۔ ایم۔ ساری
احمد صاحب۔ آپ اپنے متعلق اچھی طرح سوچ لیں۔ عجیب بات ہے۔ میرے ساتھ آپ آنا نہیں چاہتے۔ مجھے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ ان حالات کے باوجود ہم ایک دوسرے کو چھوڑ نہیں سکتے۔ تو پھر یہ بیل کیوں کر منڈھے چڑھے گی۔
میں ایک عجیب تذبذب کے عالم میں تھا۔ "نہ جائے رفتن۔ نہ پائے ماندن" میں نے چھٹی کے یہ باقی دن حنا کی کمپنی میں خوش و خرم رہ کر گذارے۔ میری چھٹی ختم ہو رہی تھی۔ لیکن ہم دونوں ابھی تک یہ فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ آئندہ کے لیے ہمیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔
میری چھٹی ختم ہو گئی اور وہ مجھے ریلوے سٹیشن پر چھوڑنے آئی۔ دورانِ گفتگو کہنے لگی۔ میں چند روز یہاں رہ کر تمہارے فیصلے کا انتظار کروں گی۔ میری روانگی سے پہلے وہ میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے بہت سے تحائف لائی تھی۔ وہ سب ایک الگ اٹیچی کیس میں بند کر کے اس نے مجھے دیے۔ اسے پتہ تھا کہ میرے پاس پیسوں کی بھی کمی ہے چنانچہ اس نے مجھے ایک ہزار روپے نقد اور دس ہزار روپے کا ایک چیک دیا۔ نقد روپے میں نے فوری ضرورت کے پیش نظر شکریے کے ساتھ قبول کر لیے اور چیک حنا کو واپس کر دیا۔ وہ لیتی نہ تھی لیکن میرے اصرار پر اس نے واپس لے لیا۔ جوں جوں گاڑی کے چلنے کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ اس کی بے قراری اور میری بے چارگی میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ گاڑی نے وسل دی تو وہ مجھ سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگ گئی۔

گاڑی چل پڑی اور میں آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے بہت دور تک اسے ویو (WAVE) کرتا رہا۔ اور پھر گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اور اس کے ساتھ میری دنیا تاریک ہوگئی۔

میں دوسرے دن جہلم پہنچ گیا۔ کیمپ میں آیا۔ دوستوں نے خوب پذیرائی کی۔ البتہ اللہ یار خان میری کارکردگی سے ناخوش تھا۔ اس نے مجھ سے رسمی سی گفتگو کی اور عدم صاحب اور جعفر طاہر صاحب کا بتایا کہ وہ کئی مرتبہ آپ کا پتہ کرنے آئے تھے۔ اور ہر دفعہ کوستے ہوئے مایوس لوٹے۔

اب اگرچہ دریائے جہلم پہلے کی طرح رواں دواں تھا۔ عدم صاحب، جعفر طاہر، احسان الحق افتخار یوسف زئی، امداد ہمدانی، رؤف ظفر اور جوگی جہلمی اب بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن نہ جانے کیوں جہلم رہنے کو اب میرا جی نہ چاہتا تھا۔ میں سوچتا میرے وسائل اتنے تو نہیں ہیں کہ میں ہر ہفتے عشرے کے بعد کراچی کا چکر لگایا کروں۔ اس سے تو اچھا تھا کہ حنا یہاں تھی تو جب جی چاہتا اس سے جا کر مل سکتا تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جب حنا پاس تھی تو ناسمجھی کی وجہ سے میں اس کی کوئی قدر نہ کرتا تھا۔ اور اب اس کے لیے تڑپ رہا ہوں

٭ — ٭

میں جہلم تقریباً ایک ہفتہ رہا ہوں گا کہ میری صحت خراب ہونا شروع ہوگئی۔ مجھے کسی کی کوئی بات اچھی نہ لگتی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اکیلا ہی بیٹھا تصور ہی تصور میں حنا کو دیکھتا رہوں۔ اس سے باتیں کروں۔ یہ لوگ مجھے ڈسٹرب نہ کیا کریں۔ میں صبح دفتر جاتا۔ شام کو اٹھتا۔ اب میں بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ اب میں عدم صاحب اور افتخار یوسف زئی کے پاس بھی نہ جاتا تھا۔ میں ایک دن شام کو ٹہلتے ٹہلتے حنا کی پرانی کوٹھی کی طرف نکل گیا۔ وہ کوٹھی جس پہ بہاریں رشک کرتی تھیں سنسان پڑی ہوئی تھی۔ میں اس کے سامنے سڑک پر ایک چھوٹے سے پل پر بیٹھ گیا۔ اور پھٹی پھٹی نظروں سے کوٹھی کو دیکھے جا رہا تھا۔ باہر گیٹ پر تالا پڑا ہوا تھا۔ سڑک سے ہر گزرنے والا آدمی مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتا اور پھر آگے کو بڑھ جاتا — میں اس کوٹھی کے مکینوں کو ڈھونڈتا پھرتا

دیکھ رہا تھا۔

وہ عارف ہے۔

وہ مائی ہے۔

لو دیکھو وہ حنا پورچ میں برآمد ہوئی۔

اب میرا یہ معمول بن گیا تھا کہ میں فرصت کے وقت اس کوٹھی کے سامنے والے پُل پر آ بیٹھتا۔ دیکھنے والے سمجھتے کوئی دیوانہ بیٹھا ہوا ہے۔ سچ ہے وادیٔ عشق میں قدم رکھنے والے لوگ دیوانے ہی ہوتے ہیں۔ ایک دن میں شام کو اُس پل پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا کہ ایک فوجی جیپ میرے پاس آکر رُکی۔ اس میں کرنل سعید بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے مخاطب کر کے اور کوٹھی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ ہوش کی دنیا میں واپس آؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔

نصیحت کا شکریہ۔ میرا تو یہ معمول ہے میں روز یہاں آتا ہوں۔ اس کوٹھی کے مکینوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا دیکھتا ہوں۔ کوٹھی میں حنا ہے عارف ہے بیرا ہے۔ مائی ہے۔ اگر کوئی نہیں ہے تو وہ آپ نہیں ہیں۔ میں نہیں ہوں۔

میرا خیال ہے اب تم نارمل نہیں رہے۔ تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔

شکریہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ شکر ہے کہ آپ اس خیالی جنت سے باہر آکر نارمل زندگی گذارنے کے قابل ہو گئے ہیں ——— وہ ہنستا ہوا مجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلا گیا۔

آج حنا کا خط آیا تھا۔ میں بہت اُداس ہوں۔ تم تاج محل کو جنت نما ہوٹل کہتے تھے۔ اب اس ارضی جنت میں بھی میرا دل نہیں لگتا۔ اس سے تو جہلم کی ویران کوٹھی ہی اچھی تھی۔ جہاں رہتے ہوئے تم سے ملنے کی آس تو رہتی تھی۔ اگر تم کہو تو میں ایک ہفتے کے لیے جہلم آ جاؤں۔ تم نے لکھا ہے تم بیمار ہو۔ تمہاری تیمار داری کروں گی۔ لیکن ایک پرابلم ہے۔ جہلم میں ایسا کوئی ہوٹل نہیں جس میں میں دو چار روز کے لیے قیام کر سکوں۔

دن بدن میری صحت خراب ہوتی گئی۔ ایک دن میجر ملک نے مجھ کہا۔

احمد صاحب۔ آپ کی صحت تو ماشاء اللہ قابلِ رشک تھی۔ آپ کو یکایک یہ کیا تکلیف ہوگئی ہے۔

نہیں سر ٹھیک ہوں۔

ٹھیک کہاں ہو بھئی۔ آپ کو ہلکا ہلکا بخار رہتا ہے۔ ہر وقت کھوئے کھوئے رہتے ہیں۔ آخر ماجرا کیا ہے۔

سر کوئی خاص بات نہیں۔ معمولی بخار ہے۔ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔

میجر ملک صاحب نے چیف سگنل آفیسر سے میرے متعلق بات کی۔ انہوں نے طے کیا کہ مجھے یونٹ ہیڈکوارٹر پشاور واپس بھیج دیا جائے۔ یہاں لائف ذرا سخت ہے وہاں آرام کریں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے۔ چنانچہ مجھے یونٹ والوں نے واپس پشاور بھیج دیا۔ وہاں یونٹ کے کل دس پندرہ آدمی اور رئرک (RKOOV) تھا۔ یونٹ لائنز ویران پڑی ہوئی تھیں۔ جہلم میں جو تھوڑی بہت کمپنی تھی وہ بھی یہاں میسر نہ تھی۔ جہلم میں عدم صاحب، جعفر طاہر، احسان الحق، افتخار یوسف زئی۔ رؤف ظفر۔ جوگی جہلمی۔ امداد ہمدانی اور عزیز دہلوی سے جب چاہتا ملاقات ہو سکتی تھی۔ پشاور کے ادبی حلقوں میں میں اگرچہ متعارف تھا لیکن ہماری یونٹ لائنز سے شہر کم از کم تین میل کے فاصلے پر تھا۔

٭ ـــ ٭

میں پشاور آکر اور زیادہ بیمار ہو گیا۔ چنانچہ سی۔ ایم۔ ایچ پشاور میں علاج کی غرض سے ایڈمٹ (ADMIT) ہو گیا۔ ڈاکٹر مجھے دیکھتے تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ میں دن بدن کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے تاج محل کے پتہ پر حنا کو خط لکھا۔ اور اسے بتایا کہ میں واپس پشاور آگیا ہوں اور پہلے زیادہ بیمار ہوں۔ اس لیے سی۔ ایم۔ ایچ پشاور میں ایڈمٹ (ADMIT) ہوں۔ میں نے خط میں اسے اپنے وارڈ کا پتہ لکھا۔

ایک دن میں شام کو وارڈ سے باہر لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہماری وارڈ نرس کے ساتھ حنا آ رہی ہے۔ جب میرے قریب آئی تو وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور سب لوگوں کے سامنے مجھے چومنے لگ گئی۔ نرس نے دو کرسیاں منگوائیں۔ ایک پر حنا

بیٹھی اور دوسری پر وہ نرس۔ تھوڑی دیر تک وہ مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔ نرس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔ اور فوراً ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نرس کے جانے کے بعد حنا نے پوچھا۔

حضور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے!

حنا اب مجھے پتہ چل گیا ہے کہ میں تم سے دور رہ کر زندہ نہ رہ سکوں گا اور اسی طرح گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا۔

حوصلہ کرو۔ معمولی بخار ہے۔ نرس کہہ رہی تھی جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔

تم کب آئی ہو۔ کیا میرا خط آپ کو مل گیا تھا۔

حضور اُسی خط پر تو بھاگی ہوں۔ کل تمہارا خط ملا۔ آج بائی ایئر آگئی ہوں۔ اب انشاء اللہ تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔

انشاء اللہ اب ضرور ٹھیک ہو جاؤں گا۔ میری مسیحا تو آپ ہیں۔

اگر میں ممبئی چلی گئی ہوتی تو پھر بڑی پرابلم ہو جاتی۔

تم پرابلم کی بات کرتی ہو۔ میں تو مر گیا ہوتا۔

حنا تم کہاں ٹھہری ہو۔

جناب میں نے اپنا مختصر سا سامان ڈین ہوٹل میں رکھا ہے۔ وہاں ہی ایک کمرہ لیا ہے۔

کیسا ہے یہ ہوٹل۔ میں نے حنا سے پوچھا۔

بس ٹھیک ہے۔ تمہاری اس ارضی جنت "تاج محل" کی طرح کا تو نہیں ہے۔ بہر حال غنیمت ہے۔

حنا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ تاج محل ایک ارضی جنت ہے۔ میں جتنا عرصہ وہاں رہا اللہ پاک نے انواع واقسام کے کھانوں کے ساتھ فی الحال ایک حور بھی میری خدمت پر مامور کر رکھی تھی۔

لیکن کہتے ہیں آپ جیسے ملاؤں کو تو وہاں ستّر حوریں ملیں گی۔ یہ کہتے ہوئے وہ ہنس

پڑی۔

لیکن حنا آدمی اُن میں کیسے برابری کا سلوک روا رکھ سکے گا۔ بس میرے لیے تو تاج محل" والی ایک حور ہی کافی ہے۔

اس نے آہستہ سے میری گال تھپتھپائی اور کہنے لگی۔" اگر وہ سچ مچ کی حور ہے تو اللہ میاں نے وہ حور بھی تم سے چھین لی ہے اور تمہیں دنیا کی صعوبتیں جھیلنے کے لیے جہلم اور پھر پشاور واپس بھیج دیا ہے۔

آپ کتنے دن یہاں قیام کریں گی۔

جب تک تم مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتے۔

اب تم آگئی ہو تو میں جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔ تم نے نرس کو کیا کہا تھا کہ میں نے کس کو ملنا ہے۔

میں نے تمہارا نام بتایا تھا۔ وہ اپنے وارڈ کے سب مریضوں کو اچھی طرح جانتی ہے ہے۔ مجھے فوراً تمہارے پاس لے آئی۔

اس نے پوچھا نہیں کہ یہ تمہارے کیا لگتے ہیں۔

پوچھا تھا۔ میں نے اس کو بتایا کہ" احمد صاحب میرے دوست ہیں۔" میں کراچی سے ان کی بیماری کا سُن کر آئی ہوں۔

اب آپ ہوٹل میں واپس جائیں۔ آرام کریں۔ کل پھر آنا۔

رات کا کھانا کھا کر کیوں نہ آؤں۔

ملاقات کا وقت تین بجے دوپہر سے پانچ بجے شام تک ہوتا ہے۔ ان اوقات کے علاوہ اور کسی وقت نہیں آنے دیتے۔

آج تو ٹھیک ہے۔ کل میں کمانڈنگ آفیسر سے مل کر سپیشل پاس بنوالوں گی۔ دس بجے رات ہوٹل میں واپس چلی جایا کروں گی۔

دوسرے دن حنا نے سپیشل پاس بنوالیا۔ ڈاکٹر مریضوں کو دیکھ کر واپس گیا تو وہ میرے پاس آگئی۔ اب اس کے ساتھ کمانڈنگ آفیسر۔ میٹرن۔ میڈیکل سپیشلسٹ اور ہمارے

وارڈ کا ڈاکٹر تھا سب نے میرا احوال دریافت کیا۔ میڈیکل سپیشلسٹ نے میرے کاغذات دیکھے۔ پیتھالوجی کے سب ٹیسٹ دیکھے اور پھر مجھے چیک کیا۔ حنا سے مخاطب ہو کر وہ کہنے لگا۔

میڈم۔ گھبرائیں نہیں۔ آپ کا مریض جلد مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے گا اور پھر وہ سب چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے حنا سے پوچھا۔ اس پوری ٹیم کو تم نے کیسے رام کر لیا ہے۔

سعید کی وجہ سے یہ میرا ن اور کمانڈنگ آفیسر مجھے جانتے تھے۔

ڈین ہوٹل سی۔ ایم۔ ایچ کے بالکل قریب ہے۔ آپ کو آنے جانے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ صرف ایک بات کا خدشہ ہے کہ تم رات کو اگر دیر تک ہوٹل سے باہر رہی تو تمہارے ساتھ کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے۔

کس طرح کا حادثہ۔ حنا نے مجھ سے وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا۔

یہاں عورتوں کا کھلے بندوں گھومنے پھرنے کا رواج نہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کوئی قبائلی تم کو اٹھا کر نہ لے جائے ـــــ تم نے تاج محل کراچی والوں کو فون کر کے ڈین ہوٹل کا پتہ دیا ہے۔

جی ہاں۔ دے دیا ہوا ہے۔

حنا پشاور میرے پاس دس دن رہی۔ اس تمام عرصے میں وہ میری بڑی اچھی طرح تیمارداری کرتی رہی۔ ناشتہ کر کے آتی۔ پھر دوپہر کو دو آدمیوں کا کھانا ڈین ہوٹل کا ایک ملازم میرے وارڈ میں حنا کے لیے لے آتا۔ چار بجے کی بڑی پر تکلف چائے حنا ہسپتال کی کینٹین سے منگوائی۔ وارڈ کے دوسرے مریضوں کے لیے وہ کچھ نہ کچھ لاتی۔ آٹھ بجے رات پھر ہوٹل کا ملازم ہم دونوں کے لیے کھانا لے کر آتا اور صبح کے برتن واپس لے جاتا۔ وہ تقریباً دس بجے رات ہوٹل واپس چلی جاتی۔

اب میں بالکل تندرست ہو گیا تھا لیکن ابھی ہسپتال سے ڈسچارج نہیں ہوا تھا۔

دوسرے دن وہ صبح کو آئی تو بہت گھبرائی ہوئی اور پریشان تھی۔ میں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو میں بھی پریشان ہو گیا۔

حنا خیریت تو ہے۔ تم آج مجھے کچھ زیادہ پریشان نظر آ رہی ہو۔

اس نے ایک خط میری طرف بڑھا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔

میں نے خط اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ لفافے پر بھارت کے ٹکٹ چسپاں تھے میں نے مہر کو غور سے دیکھا۔ بمبئی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ خط نکال کر میں نے پڑھا۔ بمبئی سے یہ خط کسی سیف الدین صاحب نے حنا کو لکھا تھا۔

"پچھلے ماہ آپ سے تاج محل کراچی میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں مزید چند روز کراچی رہا پھر واپس بمبئی آ گیا۔ تمہاری والدہ کی گم شدگی کو اب چار سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ جس دن وہ بازار گئیں اور واپس نہ آئیں۔ اس دن بمبئی میں بڑا خونی فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ ہم سب نے آپ کی والدہ کو بہت تلاش کیا تھا۔ لیکن پتہ نہ چلا۔ چونکہ فسادات میں جو لوگ مارے جاتے تھے کارپوریشن والے فوراً ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگا دیتے۔ اس لیے ہمیں آپ کی والدہ کی لاش کا بھی کچھ پتہ نہ چلا۔ اب جب میں کراچی سے بمبئی واپس آیا ہوں تو اچانک آپ کی امی کا مجھے خط ملا جس میں تحریر ہے کہ میں نے حنا کے نام کئی خطوط لکھے ہیں لیکن نہ جانے وہ بے چاری کہاں اذیتیں سہنے کے لیے چلی گئی ہوگی۔ اگر آپ کو حنا کی کچھ خبر ہو تو میرا یہ خط برائے کرم اس تک پہنچا دیں۔"

سیف صاحب کے خط کے اندر حنا کی امی کا خط بھی تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ جس دن میں بازار گئی۔ اچانک وہاں نسلی فساد شروع ہو گیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں لاشیں خاک و خون میں تڑپنے لگیں۔ میں ڈر کر ایک ملحقہ گلی کی طرف پناہ لینے کے لیے بھاگ گئی۔ اس گلی میں بھی بلوائی آ گئے۔ ان کے سردار نے مجھے پکڑ لیا اور

ان بلوائیوں کے ساتھ مجھے اپنی بستی میں لے گیا۔ اس سردار نے اس دن سے آج تک مجھے اپنی بیوی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ یہ لوگ مچھیرے ہیں۔ یہ پوری بستی ہی مچھیروں کی ہے جو ساحل سمندر پر واقع ہے۔ یہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں لیکن ان میں مسلمانوں والی کوئی بھی بات نہیں ہے۔ اتنی بڑی بستی میں نہ کوئی مسجد ہے اور نہ کوئی آدمی نماز ہی پڑھتا ہے اور نہ ہی کوئی قرآن کریم پڑھنا جانتا ہے۔

یہ جب بھی سمندر سے شکار کے بعد واپس آتے ہیں تو دن بھر تاڑی پیتے رہتے ہیں۔ تاش کھیلتے ہیں اور دنگا فساد کرتے ہیں۔ ان بستیوں میں پولیس کبھی نہیں آتی۔ ان کے سردار ہی ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جس سردار نے مجھے بیوی بنا کر رکھا ہوا ہے اس کا نام موجو ہے۔ یہ موجو بڑا ظالم آدمی ہے۔ مجھے بڑا ہی مارتا ہے۔ یہ بستیاں بمبئی سے ہٹ کر تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہیں۔ جس بستی کا موجو سردار ہے اسے نجام (نظام) والی بستی کہتے ہیں۔

یہ خط اگر تمہیں مل جائے تو میری رہائی کی کوئی نہ ترکیب نکالیں۔ لیکن سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان ظالموں کے چنگل میں پھنس جاؤ۔ میں اتنے طویل عرصے تک تمہارا انتظار کرتی رہی۔ جب تمہاری کوئی خبر نہ ملی تو میں نے ساتھ والے فلیٹ کے سیف صاحب کو یہ خط لکھا ہے۔ اب آئندہ جو بھی قدم تمہیں اُٹھانا ہے نہایت سوچ سمجھ کر اٹھانا۔ رسک (RISK) بالکل نہیں لینا۔ میں نہیں چاہتی کہ میں اپنی رہائی کے لیے تمہیں بھی ایک ابدی مصیبت میں گرفتار کرا دوں۔

اچھا خدا حافظ

تمہاری اُمی

میں نے خط پڑھ کر یاس و حسرت کے عالم میں حنا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ محو حیرت، دنیا و مافیہا سے بے خبر دور خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

حنا خوشی کی بات تو یہ ہے کہ تمہاری اُمی زندہ ہیں اور رنج اس بات کا ہے کہ وہ

ایک عرصے سے ایک جہنم زار میں مستقل طور پر چل رہی ہے۔ ظالم مُوجُو کے خونی پنجوں میں جکڑی ہوئی ہے اور اس کی رہائی کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔

احمد آپ کی کیا رائے ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ حنا نے میری رائے معلوم کرنا چاہی۔

میرے خیال میں آپ آج ہی واپس کراچی چلی جائیں۔ دو تین روز میں راہداری کے ضروری کاغذات بنواکر واپس بمبئی جاکر آپ سیف صاحب سے ملیں۔ وہاں جا کر ہی آپ کو صحیح صورتِ حال کا علم ہوگا۔

لیکن احمد میں تمہیں یوں بیمار چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔

حنا میں تو اب بالکل ٹھیک ہوں۔ ایک دو دن تک ہسپتال سے فارغ ہو جاؤں گا۔

نہیں احمد میرے جانے کے بعد تم پھر بیمار پڑ جاؤ گے۔

تو پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے۔

میرے خیال میں آپ ہسپتال سے فارغ ہوجائیں تو پھر دونوں کراچی جائیں گے۔ وہاں راہداری کے کاغذات بنواکر دونوں بمبئی جائیں گے۔ میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہ کرسکوں گی۔

لیکن حنا میری یونٹ جہلم میں ہے۔ یہاں تو مجھے چھٹی بھی کوئی نہیں دے گا۔

چھٹی کی میری ذمہ داری ہے۔ میں تمہارے لیے ایک ماہ کی چھٹی کا انتظام کرلوں گی۔

حنا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ڈیفینس فورسز کے لوگ ایک دوسرے کے ملک میں ویسے بھی آجا نہیں سکتے۔

اور وہ مایوس ہوگئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔ میں نے اُسے بڑی مشکل سے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کراچی جاکر صحیح صورتِ حال سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد بھارت جائے اور بھاراج سے مل کر ان کی مدد حاصل کرے۔

بات تو تمہاری معقول ہے لیکن نہ جانے مہاراج اس معاملے میں میری کوئی مدد کریں گے یا نہیں۔

ضرور کریں گے۔ وہ تمہیں دیکھیں گے تو باغ باغ ہو جائیں گے۔

احمد تم مجھے میرے ماضی کے جہنم زار میں پھر سے دھکیلنا چاہتے ہو۔ مہاراج کی قربت نے جو کچھ مجھ سے چھین لیا تھا وہ تمہاری بے لوث اور پُر خلوص رفاقت نے مجھے واپس لوٹایا ہے۔ تم چاہتے ہو اُس گوہر نایاب سے میں پھر محروم کر دی جاؤں۔

نہیں اب تم ایک مہمان کی حیثیت سے واپس ریاست میں جاؤ گی۔ مشرقی معاشرے میں مہمان کا بڑا درجہ ہوتا ہے۔

نہیں احمد ان ہوس پرستوں کا اخلاقی معیار بہت پست ہوتا ہے۔ یہ موقعہ سے فائدہ اُٹھانے والے لوگ ہوتے ہیں۔

لیکن حنا اس کے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ تم اس کی نیت میں اگر فتور دیکھو تو واپس بمبئی چلی آنا۔

ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ہر روز خط لکھ کر حالات اور واقعات سے آگاہ کرتی رہوں گی۔

* — *

اور پھر وہ صبح کی سحر طراز کرن تھکے ہارے جواری کی طرح بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی وارڈ سے باہر چلی گئی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں کتنی اذیت اور کتنا کرب تھا۔ اس نے گیٹ پہ جا کر پلٹ کر میری طرف دیکھا اور ہاتھ ہلایا۔ وہ دوپہر کی فلائٹ سے کراچی واپس چلی گئی۔ میں پہلے کی طرح کا بے نوا فقیر ایک ویران اور اُداس وارڈ میں بستر پہ پڑا حالات و واقعات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے اُس دن ہسپتال سے ڈسچارج لے لیا اور واپس اپنے میس (MESS) میں آ گیا۔ ہمارا میس فنکشن (FUNCTION) نہ کر رہا تھا۔ پیچھے کل دس پندرہ آدمی تھے۔ سب کے لیے ایک ہی کُک (COOK) تھا۔ اللہ یار خان میرے لیے بھی وہاں ہی سے کھانا لے آتا تھا۔

میں حسبِ سابق شام کو نہا دھو کر باس تبدیل کر کے کبھی پشاور صدر میں جناب پروفیسر طاہر فاروقی صاحب ۔ زینی جار چوی یا شاد امرتسری کے پاس چلا جاتا یا کبھی پشاور شہر میں جناب فارغ بخاری ۔ رضا ہمدانی ۔ سید مظہر گیلانی ۔ مرزا محمود سرحدی خاطر غزنوی ۔ خلیل حشمی اور مجید شاہد سے ملنے چلا جاتا ۔ لیکن ان ملاقاتوں میں بھی میرا دل نہ لگتا ۔ دل یہی چاہتا کہ میں اُڑ کر کراچی چلا جاؤں اور پھر حنا کے ساتھ بمبئی جاؤں اور اُس روایتی دیو کے قبضے سے حنا کی اُمی کی گلو خلاصی کراؤں ۔ لیکن میری اپنی مجبوریاں تھیں ۔ میں نہ کراچی گیا اور نہ ہی بمبئی جا کر اس دیو سے حنا کی اُمی کو چھڑانے کا کوئی جتن کیا ۔

چار دن کے بعد حنا کا خط آیا ۔

" میں اُس دن شام کو چھ بجے کراچی پہنچ گئی تھی ۔ راہداری کے کاغذات مکمل ہو گئے ہیں ۔ میں کل صبح بمبئی جا رہی ہوں ۔ جو بھی وہاں کے حالات ہوئے میں وہاں پہنچ کر آپ کو تحریر کروں گی ۔ ابھی اپنے تمام بنک اکاؤنٹس یہاں پاکستان ہی میں رکھوں گی ۔ تھوڑی سی جیولری ساتھ لے جا رہی ہوں تاکہ اپنا دیس جواب دیا تو غیر ہے میں گذر بسر کر سکوں ۔ آپ مجھے خط نہ لکھیں ۔ "

پھر پندرہ دن تک حنا کا کوئی خط نہ آیا ۔ میں بہت فکر مند تھا ۔ خدا خیر کرے ۔ کہیں حنا بھی اُن ظالموں کے چُنگل میں نہ پھنس گئی ہو ۔ دو دن کے بعد مجھے اس کا خط ملا ۔ میں نے خط کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا ۔ اس کی مہریں ۔ اُن پر ثبت تاریخیں دیکھیں خط تقریباً بارہ تیرہ دن پہلے کا لکھا ہوا تھا ۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں سنسر (CENSOR) اور سیکورٹی والے باہر سے آنے والے خطوط کو سنسر (CENSOR) کرتے ہیں ۔ اس لیے یہ خط کافی تاخیر سے ملا ۔ اس میں حنا نے لکھا تھا ۔

" میں بمبئی اسی دن پہنچ گئی تھی ۔ میرا فلیٹ مالک نے کسی اور کو کرائے پر دے دیا ہے ۔ میں پھر سیف الدین صاحب کے گھر دو دن ٹھہری ۔ اس

بیوی بڑی اچھی خاتون ہے۔ اُن کے دو بہت ہی پیارے بچے ہیں۔ میں اُن بچوں کو دیکھ کر رشک کرنے لگی۔ احمد! اُن کا کتنا خوشحال کنبہ ہے۔ سیف صاحب سے اور کوئی مزید انفارمیشن نہیں ملی۔ میں نے اپنے پروگرام کے متعلق پھر اُن سے مزید کوئی بات نہیں کی۔ میں کل مہاراج سے ملنے ریاست جا رہی ہوں۔ وہاں کی پروگریس آپ کو بعد میں تحریر کروں گی۔"

اچھا خدا حافظ

فقط۔ تمہاری حنا

جلدی ہی اُس کا دوسرا خط آیا۔

"میں ریاست پہنچی اور ڈرتے ڈرتے مہاراج کے محلات کی طرف گئی۔ سب لوگ میرے جاننے والے تھے۔ مجھے دیکھ کر سب لوگوں نے میری بڑی پذیرائی کی۔ ایک پولیس آفیسر جو محلات کی گارڈوں کا انچارج تھا۔ مجھے فوراً ہی ہز ہائی نیس کے سیکرٹری کے پاس لے گیا۔ سیکرٹری نے مجھے دیکھا تو فوراً ہی میکانکی انداز سے پذیرائی کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ مجھ سے پوچھنے لگا۔" یور ہائی نیس خیریت سے ہیں۔"

شکریہ۔ اللہ کا فضل ہے۔ بالکل ٹھیک ہوں۔

کیسے تشریف لائی ہیں۔ سیکرٹری نے پوچھا۔

مہاراج کو سلام کرنے آئی ہوں۔

اچھا! ۔ اور پھر اُس نے ٹیلی فون کے نمبر گھمانے شروع کر دیے۔ یکایک ان کی گفتگو شروع ہو گئی۔

یور ہائی نیس۔ میں شری واستو بول رہا ہوں بمبئی سے رانی حنا صاحبہ آپ سے ملنے تشریف لائی ہیں۔

بہت اچھا یور ہائی نیس۔ میں ابھی بھیجتا ہوں اُن کو۔

اور پھر اس نے وردی میں ملبوس ایک چاک و چوبند سپاہی کو بلوایا۔ جس نے کمر میں تلوار لٹکا رکھی تھی اور ہاتھ میں ایک نیزہ لیے ہوئے تھا۔

جی حضور۔ اس سپاہی نے سلام کرتے ہوئے کہا۔

رانی صاحبہ کو اندر مہاراج کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔ سیکرٹری نے کہا۔

وہ سپاہی مجھے اندر لے گیا۔ میرے لیے وہ محلات، ان کے آداب کچھ نئے نہ تھے البتہ اندر جا کر مَیں نے جو نئی چیز دیکھی وہ یہ کہ مہاراج کے ڈرائنگ روم میں تین چار آدمی مہاراج کے قریب آہستہ آہستہ ان سے کوئی ضروری بات کر رہے تھے۔ تین چار حسین و جمیل عورتیں مورچھل لیے اپنے فرائض کی بجا آوری میں مصروف تھیں۔ ان میں سے ایک دو مجھے جانتی تھیں۔ مَیں جب قریب گئی اور ان سے آنکھیں چار ہوئیں تو انہوں نے زیرِ لب ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

احمد صاحب! وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ کبھی یہی کنیزیں میری خدمت پر مامور تھیں۔ آج مجھ سے بات کرنے کی بھی روادار نہ تھیں۔

مہاراج ایک مرصع تخت پر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھے تھے۔ اس عرصے میں وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ پہلی نظر میں میرے لیے ان کو پہچاننا بھی مشکل ہو گیا۔ مَیں نے ان کے سامنے جا کر ہاتھ جوڑ کر آداب عرض کیا۔ مجھے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا پھر اپنے مصاحبین کو کہا "آپ لوگ اب آرام کریں۔" مَیں مہارانی صاحبہ سے باتیں کروں گا۔ مَیں اس پروٹوکول پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی۔ ان کے متعلق میرے جو خدشات تھے کہ کہیں وہ پھر سے مجھے اپنی ہوس رانی کا شکار نہ بنائیں ان سے ملنے کے بعد وہ خدشات دور ہو چکے تھے۔ مہاراج اب بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ اور مَیں سمجھتی ہوں کہ کثرت سے جنسی بے اعتدالیوں کے باعث ایسے لوگوں کی زندگیاں کم ہو جاتی ہیں اور اگر زندہ بھی رہتے ہیں تو "زندہ درگور"

انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

جناب آپ کی تعلیم مکمل ہو گئی ہے۔

نہیں مہاراج۔ اور پھر مَیں نے ان کو ریاست چھوڑ کر جانے کے بعد سے لے کر اب تک کے تمام حالات و واقعات سے آگاہ کیا۔ وہ تصویرِ حیرت بنے میری باتیں بڑے غور

سے سنتے رہے۔

مہارانی! یہ تو بہت بُرا ہوا ـــــ اچھا دیکھے کیا ہوتا ہے۔ اور پھر انہوں نے اپنے سیکریٹری کو ٹیلی فون پر کہا۔ شری واستو جی ایک ارجنٹ کال گورنر بمبئی کے لیے بک کریں۔ جب وہ لائین پر آئیں تو مجھے بتائیں۔" بہت اچھا سرکار۔

اور پھر مہاراج نے ٹیلی فون رکھ دیا اور میرے ساتھ باتیں کرنے لگ گئے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ سیکریٹری نے بتایا کہ گورنر صاحب تو بمبئی میں نہیں ہیں۔ باہر دورے پر گئے ہوئے ہیں۔

ان سے پوچھا کہ کب واپس آئیں گے۔

سرکار دو دن کے بعد۔

اچھا ٹھیک ہے اور پھر مہاراج نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

مہارانی آپ محل میں ٹھہرنا پسند کریں گی یا سٹیٹ گیسٹ ہاؤس (STATE GUEST HOUSE) میں۔

مہاراج میں گیسٹ ہاؤس میں ٹھہر جاؤں گی۔ یہاں دوسری رانیوں اور مہارانی صاحبہ کو تکلیف ہو گی۔

قطعاً نہیں۔ اگر آپ ٹھہرنا چاہیں تو ٹھہر سکتی ہیں۔

شکریہ مہاراج! گیسٹ ہاؤس ہی ٹھیک ہے۔ وہاں میرے لُک کو بھی آسانی ہو گی۔

اچھا تمہاری مرضی۔ پھر مہاراج نے محلات کے ناظم کو بلا کر سمجھایا۔ دیکھو شرما جی۔ مہارانی صاحبہ کی پہلے کی طرح خاطر مدارت کریں۔

مہاراج کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے گی اور سیس نوا کر واپس چلا گیا۔

میں تھوڑی دیر اُن کے پاس بیٹھی اور پھر ان سے اجازت طلب کی اور پھر گیسٹ ہاؤس چلی گئی۔ میں دو دن تک وہاں رہی۔ سب رانیاں وہاں مجھ سے ملنے کے لیے آتی رہیں۔ البتہ ان دو دنوں میں مہاراج نے مجھے نہ بلایا۔

احمد صاحب یہ ہے میری روئداد آپ سے الگ ہوکر ریاست تک آنے اور مہاراج سے ملاقات تک کی۔ اب آگے جو پروگریس ہوگی آپ کو اگلے خط میں تحریر کروں گی۔ مجھے آپ کی صحت کے بارے میں تشویش ہے۔ ایک خط بمبئی میں سیف صاحب کی معرفت مجھے لکھ دینا۔ تاکہ تسلی ہو۔

اچھا خدا حافظ
فقط تمہاری حنا"

٭

"میں نے اپنی پہلی فرصت میں حنا کو خط لکھا کہ میں مکمل طور پر تندرست ہوکر ہسپتال سے فارغ ہوگیا ہوں۔ اب اپنے میس (MESS) میں رہتا ہوں۔ کام کچھ نہیں کرتا۔ آرام کررہا ہوں۔ دن بھر تمہارے متعلق مختلف قسم کے خدشات سے دوچار رہتا ہوں۔ اور تصور ہی تصور میں انہیں سلجھانے میں منہمک رہتا ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے میری پوسٹنگ کسی دوسرے سٹیشن پر ہوجائے۔ میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک تمہاری پریشانیاں دور فرمائے۔ آمین۔"

چار پانچ دن کے بعد حنا کا ایک مختصر سا خط ملا۔

"مہاراج نے گورنر بمبئی سے بات کی ہے۔ گورنر صاحب نے کہا ہے کہ شریمتی جی کو خط دے کر میرے پاس بھیج دیں۔ میں کل بمبئی واپس چلی جاؤں گی اور پھر ایک آدھ دن میں گورنر صاحب سے ملنے کی کوشش کروں گی۔ اس کے بعد جو حالات ہوئے آپ کو لکھوں گی۔ تم اپنی صحت کا خیال رکھنا۔ میرے متعلق زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے خدا پر پورا بھروسہ ہے کہ میری امی کو گورنر صاحب وہاں سے برآمد کروا لیں گے۔"

اگلے خط میں حنا نے لکھا کہ میں گورنر صاحب سے ملی ہوں۔ مجھے ان سے ملنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ان کے سیکریٹری کے پاس پہلے سے میرا نام نوٹ تھا۔ میں جونہی وہاں پہنچی تو سیکریٹری نے گورنر صاحب کو بتایا۔

"سر وہ لیڈی آگئی ہے جس کے متعلق ہز ہائی نیس مہاراج بہادر نے آپ سے بات

کی تھی۔
شاید دوسری جانب سے اثبات میں جواب آیا چونکہ سیکریٹری خود بہ نفسِ نفیس مجھے لے کر گورنر صاحب کے پاس گیا۔ میں اندر گئی تو گورنر صاحب نے مجھے بڑی عزت و احترام کے ساتھ بٹھایا۔ چائے پلائی اور پھر میری بات نہایت غور سے سُنی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ میری بات سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔
بڑے ہی غمگین لہجے میں کہنے لگے۔
شریمتی جی اس بات سے مجھ بڑا دکھ ہوا ہے۔ اتنا بڑا واقعہ ہوا ہے اور آپ نے متعلقہ حکام کو اس سے پہلے موو (MOVE) نہیں کیا۔
سر میں خوف کے مارے بمبئی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔
اب آپ مجھے دو تین دن دیں۔ میں انسپکٹر جنرل پولیس اور سی۔آئی۔ڈی (C.I.D.) کے چیف سے بات کرتا ہوں۔ تاکہ وہ خفیہ ذرائع سے پہلے ان مچھیروں کی بستیوں کا سروے کریں اور آپ کی اُمی کا سراغ لگائیں۔
گورنر صاحب نے ان دونوں کو بلا کر اُن کو ضروری ہدایات دیں اور مجھے تین دن بعد آنے کی ہدایت کی۔
میں تین دن کے بعد گئی تو گورنر صاحب نے مجھے بتایا کہ آپ کی اُمی زندہ ہے اور فی الواقعہ موجو جو بستی نجام میں مچھیروں کا سردار ہے اس کے پاس ہے۔ آج رات پولیس بڑے پیمانے پر اپریشن کلین اپ ("OPERATION CLEAN UP") کا آغاز کرے گی۔
آپ پولیس کے ہمراہ جائیں۔
شام کو اندھیرا ہوتے ہی پولیس کے تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے بمبئی سے دور ان جرائم پیشہ لوگوں کی بستیوں کا محاصرہ کر لیا۔ جوان مرد شام ہوتے ہی اپنی اپنی کشتیوں میں دور سمندر میں مچھلیاں پکڑنے چلے جاتے۔ پیچھے بوڑھے بچے اور صرف عورتیں ہی رہ جاتی ہیں۔ اس اپریشن کے دوران میں کسی نے پولیس کی مزاحمت نہ کی۔ گورنر صاحب کی خصوصی ہدایت پر مجھے ایک گاڑی میں جس میں وائرلیس سیٹ نصب تھا پولیس والے موقعہ پر

لے گئے۔ میری حفاظت کے لیے پولیس کی ایک گارد بھی ساتھ تھی۔ ہم لوگ بستی سے تھوڑا پیچھے ایک ریت کے ٹیلے کے عقب میں کھڑے رہے۔ کافی دیر تک ان مچھیروں کی بستیوں سے چیخ و پکار کی آوازیں آتی رہیں۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد پولیس بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر کے لے آئی۔ ان گرفتار شدگان کے ساتھ پولیس نے ان بستیوں سے چالیس اغوا شدہ عورتیں بھی برآمد کیں۔ یہ بدنصیب عورتیں وہ تھیں جنہیں یہ لوگ فسادات میں مختلف جگہوں سے پکڑ کر لے آئے تھے اور اب ان بستیوں کے مچھیروں نے ان کو اپنے پاس رکھا ہوا تھا اور انہیں اپنی ہوس کا نشانہ بناتے۔ جب وہ عورتیں ذرہ قریب آئیں تو میں نے اپنی ماں کو پہچان لیا۔ میں گاڑی سے اُتر کر دوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئی۔ بڑی دیر تک ہم دونوں ایک دوسرے سے گلے مل کر روتی رہیں۔ میں نے اپنی ماں کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھالیا پولیس کچھ آدمیوں کو ہتھکڑیاں لگا کر لے آئی۔

میں نے اپنی ماں سے کہا۔

اُمی مجھے خدا کے لیے وہ ننگِ انسانیت مَوجُود دکھادو۔

بیٹا اُسے دیکھ کر تم کیا کرو گی۔ یہ سب ہی مَوجُود ہیں۔ صرف چہرے ان کے الگ الگ ہیں۔

٭ ــــ ٭

رات کو دو بجے ہم پولیس ہیڈ کوارٹر میں واپس آئے۔ انچارج "ایریشن کلین اپ" نے انسپکٹر جنرل کو جملہ صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ انچارج نے مجھ سے پوچھا۔

میڈم آپ کو کہاں چھوڑ کر آئیں۔

"تاج محل" کیا میری اُمی بھی میرے ساتھ جا سکیں گی۔

ابھی یہاں تفتیش مکمل کرنی ہے۔ مجھے افسوس ہے یہ اس وقت آپ کے ساتھ نہ جا سکیں گی۔

میں ان کو کل صبح سویرے لے کر آؤں گی۔ اِن کو نہلا دُھلا کر یہ مچھیرنوں کے کپڑے اُتروا کر دوسرے کپڑے پہنوا کر لے آؤں گی۔ اور پھر وہ تھوڑے سے اصرار کے بعد

مان گیا۔

میں اور میری ماں تقریباً تین بجے صبح تاج محل پہنچ گئیں۔ تاج محل کا سکیورٹی کا عملہ ایک مچھیرن کو اندر جانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ آخر کار ان کو صحیح صورتِ حال بتائی تو تب انہوں نے ہمیں اندر جانے کی اجازت دی۔ میں اپنی ماں کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ میں نے آتے ہی اس کے کپڑے تبدیل کروائے۔ مچھیرنوں کے لباس کی جگہ میں نے اسے اپنے کپڑے دیے۔ اُسے نہلایا۔ خود شیمپو کیا اور پھر کلون کا سپرے کیا اور لباس تبدیل کروا کر اسے بستر پر سُلا دیا۔ وہ جلد ہی سو گئی۔ اور میں اپنی ماں کے پاس ایک کرسی پر بیٹھی اُسے دیکھتی رہی۔ میرے آنسو بہہ رہے تھے۔ نہ جانے یہ خوشی کے آنسو تھے یا غم کے۔ وہ گہری نیند سو گئی۔ وہ سوتے میں مسکرا دیتی۔ جیسے کوئی کم سن بچہ خواب میں مسکرا رہا ہو۔ میرا دل خوشی سے کھل اُٹھا۔ میں نے تھوڑی دیر صوفے پر لیٹ کر آرام کر لیا۔

روم سروِنٹ بیڈ۔ ٹی لے آیا تو میری آنکھ کھلی۔ میں نے امی کو جگایا۔ انہیں بیڈ۔ ٹی دی۔ وہ اُٹھیں تو انہوں نے مجھے بوسہ دیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ انہیں اس جہنم سے چھٹکارا نصیب ہوا۔

ناشتہ کر کے ہم دونوں پولیس ہیڈ کوارٹر چلی گئیں۔ پولیس نے اپنے ضابطے کی کارروائی مکمل کی اور پھر ہمیں چھٹی دے دی۔ البتہ یہ ضرور بتایا کہ جب ضرورت ہوگی آپ کو بلا لیں گے۔ میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر سے گورنر صاحب کے ساتھ ٹیلی فون پہ بات کی اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ ان کی خصوصی توجہ اور مہربانی سے میری ماں مجھے ملی ہے۔ بلکہ اور بے شمار لوگوں کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ان کو مل گئی ہیں۔ گورنر صاحب نے فرمایا کہ اس کے بعد بھی اگر آپ کو کوئی تکلیف ہو یا میری مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجک میرے پاس تشریف لے آئیں لے آئیں۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ہم دونوں واپس تاج محل آ گئیں۔"

* * *

میں نے حنا کا طویل اور مفصل خط پڑھا تو مجھے ایک گونہ اطمینان نصیب ہوا۔ اور خوشی بھی ہوئی کہ حنا جو اس دنیا میں بالکل اکیلی اور بے یار و مددگار تھی اب اس کی ماں کی بازیابی کے

بعد وہ کتنی خوش ہوگی۔ اب وہ اس بھری دنیا میں تنہا نہیں۔ اس کو چاہنے والی۔ اُس سے پیار کرنے والی اس کی ماں بھی ہے۔ اب اس کی تنہائی اور اُداسی میں کچھ تو کمی ہوگی۔

میں نے تاج محل بمبئی کے پتہ پر حنا کو خط لکھا۔

"گھبرا کر جلدی نہیں کرنا۔ بمبئی میں مقدمہ کے اختتام تک قیام کرنا۔ موجُو کیفر کردار کو پہنچ جائے تو تب بمبئی چھوڑنا۔ اگر کبھی کراچی بنک سے رقم نکلوانے کے لیے آؤ تو امی کو بھی ساتھ لانا اور مجھے بر وقت اطلاع دینا تاکہ میں اُن سے ملنے کے لیے کراچی آسکوں۔

تمہارا

احمد

حنا کا خط آیا۔

"تمہارا خط ملا۔ میری امی پڑھ کر بے خوش ہوئیں۔ وہ بھی تم سے ملنے کے لیے بے قرار ہیں۔ میں نے اُن کو بتایا ہے کہ میں نے احمد کو آفر دی تھی کہ وہ میرے ساتھ شادی کرلیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں شادی شدہ آدمی ہوں میری دو بچیاں ہیں۔ اگر میں اس مرحلہ پر شادی کرلوں تو ان کے دل پہ کیا گزرے گی۔ میری ماں یہ سُن کر آب دیدہ ہوگئی اور کہنے لگی۔ حنا ایسے آدمی دنیا میں بہت کم ملتے ہیں۔ ورنہ ہر آدمی چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے۔ میں نے امی کو تمہارے کردار کی بلندی کے بارے میں بتایا تو وہ بہت متاثر ہوئیں اور کہنے لگیں۔ حنا میں احمد سے ضرور ملوں گی۔"

تمہاری

حنا

یونہی شب و روز گذرتے رہے اور میں گومگو کے عالم میں اس بھری دنیا میں ایک گوشۂ عزلت میں پڑا آنے والے حالات و واقعات سے قطعاً بے خبر بے کیف زندگی کے دن گذار رہا

تھا۔ جب کبھی حنا کا خط آتا تو لمحہ بھر کے لیے میری ویران زندگی میں بہار آجاتی اور پھر وہی بے کیفی اور نامرادی۔ میں جب کبھی زیادہ اُداس ہوتا تو سی۔ ایم۔ ایچ کی طرف نکل جاتا اور وہ راہیں دیکھتا جن سے کبھی حنا گزر کر میرے پاس وارڈ میں آیا کرتی تھی اور ہم رات گئے تک باہر لان میں بیٹھ کر خوش گپیاں کیا کرتے تھے۔

ایک دن میں اپنے دفتر میں اُداس و پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سپاہی پوسٹ مین کو لے کر میرے پاس آیا۔ فوجی انداز میں سلیوٹ کیا اور کہنے لگا۔

سر آپ کا منی آرڈر ہے۔ اس کے ساتھ ہی پوسٹ مین نے منی آرڈر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے منی آرڈر لے کر دیکھا۔ دو ہزار روپے کا منی آرڈر تھا۔ تاج محل کراچی سے حنا نے ارسال کیا تھا۔ کوپن پر لکھا تھا۔ مفصل خط پوسٹ کر رہی ہوں۔

اس زمانے میں دو ہزار ایک بڑی رقم سمجھی جاتی تھی۔ ہم فوجی لوگ اُسے ایک بریگیڈیر کی ایک ماہ کی تنخواہ سمجھتے تھے۔ منی آرڈر میں نے وصول کر لیا۔ میں نے پانچ روپے بطور ٹپ (TIP) پوسٹ مین کو دیے۔ وہ بہت خوش ہوا اور سلام کر کے واپس چلا گیا۔ وہ فوجی سپاہی جو اُسے ساتھ لایا تھا۔ میں اسے ٹپ (TIP) تو نہ دے سکتا تھا چونکہ یہ فوجی قوانین اور آداب کے خلاف ہے۔ پھر بھی میں نے پر تکلف چائے سے اس کی تواضع کی۔

حنا نے یہ رقم مجھے کراچی کی آمد و رفت کے اخراجات کے لیے ارسال کی تھی۔ میں نے کراچی جانے کی تیاری شروع کر دی۔ چونکہ ہماری یونٹ پشاور میں نہ تھی اس لیے چھٹی ہمیں سٹیشن ہیڈکوارٹر سے ملتی تھی۔ میں نے ایک درخواست لکھی کہ مجھے ایک ذاتی کام کے سلسلے میں کراچی جانا ہے اس لیے پندرہ دن کی ضروری چھٹی (CASUAL LEAVE) دی جائے۔ میں درخواست لے کر سٹیشن ہیڈکوارٹر گیا۔ ایس۔ ایس۔ او (S.S.O) کو جا کر درخواست دی۔ وہ صاحب میرے جاننے والے تھے۔ مجھ سے میرے صحت کے بارے میں پوچھا اور پھر میری پندرہ دن کی رخصت منظور کر دی۔ ہیڈ کلرک کو بلایا اور کہا کہ احمد صاحب کو کراچی کینٹ ریلوے سٹیشن کا ریلوے دوچرا ور چھٹی کا سرٹیفکیٹ ابھی بنا دو۔

نہیں سر مجھے ریلوے وو چر نہیں چاہیے۔ مجھے جلدی ہے میں بذریعہ ہوائی جہاز کراچی جاؤں گا۔

ٹھیک ہے پھر چھٹی کا سرٹیفکیٹ ہی لے لیں۔

میں پندرہ دن کی چھٹی لے کر سٹیشن ہیڈ کوارٹر سے میس میں واپس پہنچا تو میرے نام کا ایک ایکسپریس لیٹر مجھے ملا۔ میں نے جلدی سے خط کھولا۔ بالکل وہی باتیں خط میں تحریر تھیں جن کا پہلے سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا۔ میں نے اسی وقت لباس تبدیل کیا اور کراچی کے لیے چل پڑا۔ حسن اتفاق سے مجھے پہلی ہی فلیٹ میں سیٹ مل گئی اور میں شام کو کراچی پہنچ گیا۔ ہوائی اڈے سے ٹیکسی لی اور تاج محل ہوٹل جا پہنچا استقبالیہ میں گیا۔ انہوں نے حنا کے کمرے میں فون کیا اور مجھے انتظار کرنے کے لیے کہا۔ انچارج کہنے لگا۔

سر آپ تشریف رکھیں وہ خود آپ کو لینے کے لیے آ رہی ہیں۔

دو منٹ بھی نہ گذرے ہوں گے کہ حنا بہار کے ایک معطر جھونکے کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ لوگوں کی موجودگی کا خیال کیے بغیر اس نے مجھے گلے لگا لیا۔ میں شرم کے مارے سر جھکائے کھڑا رہا۔ اس نے میرا اٹیچی کیس اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارضی جنت کی طرف کشاں کشاں لے گئی۔ لفٹ سے اتر کر چند گز کے فاصلے پر اس کا کمرہ تھا۔ اس نے بچوں کی سی گرمجوشی اور لاابالی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے زور سے دروازہ کھولا اور چلاتے ہوئے کہنے لگی۔

ممی۔ ہیر۔ از۔ احمد۔ دی۔ سویٹ لوائے۔

میں نے آگے بڑھ کر ایک ادھیڑ عمر کی عورت کو سلام کیا۔ اگرچہ وہ کوئی پچاس پچپن کے پیٹے میں تھی لیکن کافی حسین عورت تھی۔ میں اسے دیکھ کر سوچنے لگا۔ جوانی میں تو یہ حنا سے بھی زیادہ خوب صورت رہی ہو گی۔ اسی لیے تو یہ نواب اور راجے مہاراجے ان پر مرتے ہیں۔ لیکن ان بے چاریوں کی کیا زندگی ہے۔ جب ان ہوس پرستوں کا دل بھر جاتا ہے تو وہ ان کو در در کی ٹھوکریں کھانے کے لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں اور پھر

یہ اس بھری دنیا میں سکون کے ایک لمحے کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہیں اور وہ لمحہ ان کو کبھی میسر نہیں آتا۔

حنا کی امی ایک وقار اور تمکنت کے ساتھ صوفے سے اٹھی اور مجھے یوں لگا جیسے کوئی ملکہ اپنے تخت سے اٹھ کر کسی بے نوا فقیر کی جھولی میں کوئی خیرات ڈالنے لگی ہو۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھے اپنی چھاتی کے ساتھ لگا لیا اور میرے ماتھے پر بوسہ دیا۔ مجھے اس رویے میں ماما کا ایک واضح رنگ جھلکتا ہوا نظر آیا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھا لیا اور میرے ساتھ باتیں کرنے میں منہمک ہو گئی۔

احمد صاحب میں بمبئی سے محض آپ کو ملنے کے لیے یہاں آئی ہوں میرا اور کوئی کام نہیں تھا۔ حنا کو بنک سے کچھ رقم نکلوانا تھی۔ یہ صبح آکر شام کو واپس بھی جا سکتی تھی۔ لیکن یہ پگلی لڑکی کہتی ہے۔ ممی میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ میں پاکستان جاؤں اور احمد سے ملے بغیر واپس بمبئی چلی آؤں۔

حنا نے فون پر چائے کا آرڈر دیا۔ اور پھر میرے پاس آکر صوفہ پر لیٹ گئی اور سر میری گود میں رکھ دیا۔ اس کی ماں مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس عورت میں مردوں کو مسحور کرنے کی حنا سے زیادہ طاقت ہے۔ نہ جانے وہ مجھے کیوں اپنا تختۂ مشق بنا رہی تھی۔ اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ان شیطانی قوتوں سے بچا کر اپنے حفظ و امان میں رکھا ہوا تھا۔ میں سوچتا ہوں جس اللہ نے فلیٹیز میں میری حفاظت کی تھی اور مجھے قعرِ مذلت میں گرنے سے بچایا تھا۔ وہی اللہ آئندہ کے لیے مجھے ان شیطانی ترغیبات سے بھی بچائے گا۔ چائے آگئی اور ہم تینوں چائے پینے میں مصروف ہو گئے اور ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو بھی جاری رہی۔

احمد کتنی چھٹی لے کر آئے ہو۔ حنا نے پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

پندرہ روز کی۔

میرے کال پر بڑی جلدی آپ پہنچے ہیں۔

حنا میں بڑا اداس اور پریشان تھا۔ ہر وقت تم سے ملنے کی تدبیریں سوچا کرتا تھا۔

لیکن ہمیں تو کل بمبئی واپس جانا ہے۔ اُمی کی پنشن کی بحالی کے لیے گورنر صاحب کو ملنا ہے۔

مَیں اُداس ہو گیا اور میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ حنا کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ کہنے لگی۔

آپ اداس نہ ہوں جب تک آپ کہیں گے مَیں کراچی رہوں گی۔ مجھے تمہاری دلجوئی منظور ہے۔

حنا کی اُمی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ احمد صاحب آپ کے اور حنا کے یہ افیرز (AFFAIRS) کب تک یوں چلتے رہیں گے۔ آپ دونوں سمجھ سوچ کر آپس میں میرج کر لیں۔ حنا کے ساتھ مَیں بھی پاکستان آؤں گی۔ آرام سے گھر گرہستی کی زندگی گذاریئے حنا بمبئی میں۔ آپ پشاور میں۔ تم دونوں ایک دوسرے سے الگ رہ کر خوش نہیں رہ سکتے۔ اس کا یہی موثر علاج ہے کہ آپ دونوں سلسلۂ ازدواج میں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہو جائیں۔

مجھ پر ایک بجلی سی گری۔ بات تو دُرست تھی لیکن تلخ تھی۔ مَیں نے جرأت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میڈم مجھے افسوس ہے مَیں ایسا نہ کر سکوں گا۔ حنا میرے گھریلو حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم دونوں اِسی حالت میں خوش ہیں۔ دو دوستوں کی طرح جب بھی ملتے ہیں بے انتہا پیار اور محبت سے ملتے ہیں اور حالات و واقعات سے مجبور ہو کر جب ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے ہیں تو پھر ایک نئی اُمید کے ساتھ آنے والے اچھے دنوں کے متعلق سوچنے لگ جاتے ہیں۔

یہ تو کوئی زندگی نہ ہوئی۔ اس عورت نے بڑے جچے تُلے انداز میں کہا۔

میڈم جب ہم دونوں کو یہ پسند ہے تو آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیجیے۔

نہیں احمد مَیں ایسا نہیں کر سکتی۔ اگر یہ بے وقوف لڑکی اسی طرح اس ٹھنڈی اور میٹھی آگ میں جلتی رہی تو یہ دھوبی کے کتّے کی طرح نہ گھر کی رہے گی اور نہ گھاٹ کی۔ جب اس کی

جوانی ڈھل جائے گی تو پھر اس کو کون پوچھے گا۔ اس کے پاس مہاراج کی دی ہوئی جو کروڑوں روپے کی جیولری ہے اور جس طریقے سے یہ اُسے خرچ کر رہی ہے۔ وہ کب تک چلے گی ایک دن آئے گا تم ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد گاؤں اپنے بیوی بچوں کے پاس واپس چلے جاؤ گے۔ یہ اس وقت کیا کرے گی۔ تمہارے گھر یا کسی اور کے گھر میں ملازمہ بن کر رہے گی اور برتن مانجھے گی۔

ممی میں بمبئی سے کراچی آپ کو اس لئے تو نہیں لائی کہ آپ میری شادی کے لیے کوشاں ہوں۔ میں نے احمد کا ذکر آپ سے کیا۔ آپ نے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا اور میں آپ کو ساتھ لے آئی۔ یہ سب باتیں ہم دونوں کے درمیان بہت پہلے ہو چکی ہیں۔ میں نے احمد کو ہر طرح کی آفرز (OFFERS) دی ہیں۔ لیکن یہ اپنے نجی حالات سے مجبور ہیں اور شادی نہیں کر سکتے۔

تو پھر چھوڑو اس قضیے کو۔ تم دونوں کچھ عرصے کے بعد خود بخود ٹھیک ہو جاؤ گے اور پھر سے اپنی آنے والی زندگی کے متعلق سوچنے لگو گے۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ تم دونوں کی جدائی کے گھاؤ وقت کے ساتھ ساتھ خود بخود مندمل ہو جائیں گے۔

محترمہ! میں نے پشاور سے کراچی آنے کی غلطی کی ہے۔ مجھے افسوس ہے میرے رویے سے آپ کا دل دکھا ہے۔ میری بیوی اور بچیوں کا اس میں کیا قصور ہے۔ میں ایک لڑکی کا دل رکھنے کی خاطر تین معصوم روحوں کو کرب و اذیت کے جہنم میں نہیں جھونک سکتا۔ میں اپنے پروگرام کے مطابق کل بمبئی واپس چلی جاؤں۔ میں آج رات کی گاڑی سے پشاور واپس جاؤں گا۔

ڈونٹ۔ بی۔ سلی۔ (DONT BE SILLY) حنا نے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

نہیں حنا مجھے افسوس ہے۔ آپ کی ممی کے رویے سے میرے جذبات بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔ کیا آپ لوگوں نے مجھے پشاور سے اسی لیے بلایا ہے۔ آپ کو میرے مزاج کا اچھی طرح سے علم ہے۔

دیکھو مسٹر تم میں کوئی سُرخاب کے پَر نہیں لگے ہوئے۔ واجبی سی شکل وصورت کے آدمی ہو۔ مجھے کوئی زیادہ پڑھے لکھے بھی نظر نہیں آتے۔ گاؤں کے کسی گنوار خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ اس پاگل لڑکی نے تم سے اگر شادی کر لی تو زندگی بھر کفِ افسوس ملتی رہے گی۔

محترمہ! آپ میری بے عزتی کر رہی ہیں کیا آپ نے مجھے اسی لیے بلایا تھا۔

اور مَیں اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنا اٹیچی کیس اُٹھانے کے لیے بڑھا۔ حنا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے کھینچ کر واپس صوفے پر بٹھا دیا۔

حنا امی سے کہنے لگی۔ ممی آپ اس لیے کراچی آئی ہیں۔ آپ نے احمد کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

حنا تم بچی ہو۔ جذبات کی رو میں بہہ کر اچھے بُرے کی تم تمیز نہیں کر سکتی۔ مَیں تمہاری بہتری کے لیے یہ سب کچھ کر رہی ہوں۔

ممی اس کھوسٹ مہاراج سے آپ نے میری شادی کس مصلحت کے پیشِ نظر کی تھی۔

اس شادی سے تم کو کیا نقصان پہنچا ہے۔ جتنا عرصہ تم وہاں رہی ہو۔ مہارانی بن کر رہی ہو۔ اس نے تم کو اتنی جیولری دی ہے کہ تم فائیو سٹار ہوٹلوں میں رہ رہی ہو۔ اس آدمی سے آخر تمہیں کیا حاصل ہوگا۔ یہ گاؤں کی ایک اُجڈ اور اَن پڑھ عورت کو تم پر ترجیح دیتا ہے۔

مجھے اُس کریہہ المنظر راجے کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ آپ ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھ سکیں۔ مَیں ایک مسلمان نواب کی بیٹی تھی۔ آپ نے مجھے ایک ہندو راجے کے سپرد کر دیا۔ مَیں نے آپ سے شرم کے مارے یہ باتیں کبھی نہیں کیں۔ لیکن آج مجبوراً کرنی پڑ رہی ہیں۔ وہ بڈھا تماش بین۔ ٹیکوں، طلاؤں اور امساک کی گولیوں کا متواتر استعمال کرتا تھا۔ وہ شام سے صبح تک مجھے ردی کی طرح دُھن کر رکھ دیتا تھا۔ اور مجھے یوں لگتا جیسے میرے بدن پر کسی نے دہکتے ہوئے کوئلے رکھ دیے ہیں۔ مَیں چیختی چلاتی لیکن اس سے وہ لطف اندوز ہوتا۔ اور زور زور سے قہقہے لگاتا۔ مَیں سمجھتی ہوں وہ ایک نفسیاتی مریض تھا اور میری بے چارگی اور بے بسی سے اس کو ایک گونہ تسکین ملتی تھی۔ یہ مجھے پتہ ہے کہ اس

جہنم میں میں نے چار سال کا طویل عرصہ کیسے کاٹا۔ میں جب اس سے الگ ہو کر بمبئی اور پھر کراچی آگئی تو میرے حسن سے بیسوں مرد مرعوب ہو کر میرے پیچھے دیوانہ وار پھرتے رہے۔ پھر میں پناہ لینے کے لیے کرنل سعید کے ساتھ چلی گئی۔ اس نے مجھے ریپ (RAPE) کیا۔ مہاراج سے الگ ہو کر گذشتہ چار سالوں میں میں نے بڑی شدت سے یہ محسوس کیا کہ میرے اندر کی عورت مر چکی ہے۔ مجھ میں کوئی جنسی خواہش نہیں ہے۔

ممی میں احمد کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ یہ ایک حادثہ کے نتیجے کے طور پر مجھے ملا اور پھر میں نے جلد اندازہ لگا لیا کہ یہ آدمی ہی وہ مسیحا ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ اس کے تھوڑے دن کی قربت سے میرے اندر کی عورت پھر سے زندہ ہو گئی اور میں اپنے آپ کو دنیا کی ایک جیتی جاگتی حسین عورت سمجھنے لگی۔ اگر میری جنسی خواہش کی تکمیل میں اس کے جذبات بھی اتنے ہی شوریدہ ہوتے جس قدر کہ میرے تھے تو شاید یہ کہانی کچھ ہی دنوں میں اپنے انجام کو پہنچ گئی ہوتی۔ ممی ہم دونوں اب جو ایک ٹھنڈی اور میٹھی آگ میں مسلسل سلگ رہے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں اس نے ہی ہم دونوں کو یکجا کر رکھا ہے۔ ورنہ ہم کب کے الگ ہو گئے ہوتے۔

حنا ہوش کے ناخن لو۔ تم سے یہ شادی کر نہیں سکتا۔ تم دونوں نے کبھی ایک دوسرے کے لیے جنسی جذبات کی تسکین کا سامان فراہم نہیں کیا۔ کیا تم دونوں اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یونہی سلگتے رہو گے۔ آخر اس کا انجام کیا ہو گا۔

ممی محبت کرنے والے انجام کی پرواہ سے بے نیاز ہو کر اس کانٹوں بھری راہ کا سفر اختیار کرتے ہیں۔

تو پھر کیا پروگرام ہے تمہارا۔ حنا کی امی نے سرزنش کے انداز میں استفسار کیا۔

ممی احمد اتنی دور سے میری خاطر پندرہ دن کی چھٹی لے کر آیا ہے۔ میں اسے چھوڑ کر بمبئی نہیں جا سکتی۔

تو میں واپس چلی جاؤں۔

اگر آپ جانا چاہیں تو چلی جائیں۔ میں آپ کو نہیں روکتی۔

تمہیں شرم آنی چاہیے ایک ملٹے کے آدمی کو تم مجھ پر ترجیح دے رہی ہو۔

ممی ٹھیک بی۔ ہیو (BEHAVE) کریں۔ یہ غیر شائستہ انداز گفتگو ہے۔

اور اس کی ماں نے اُٹھ کر ایک زوردار تھپڑ حنا کے منہ پر مارا۔ یہ مجال تمہاری۔ حنا کی ماں آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔

حنا روتے ہوئے اُٹھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ جیسے کوئی معصوم بچہ اپنے کسی بزرگ کی ذات میں پناہ حاصل کرنا چاہتا ہو۔

مسٹر تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ تمہاری وجہ سے ہم دونوں میں جدائی کی ایک واضح خلیج حائل ہوتی جا رہی ہے۔ اس پرابلم کا اگر اسی وقت سدباب نہ کیا گیا تو بعد میں اس خلیج کا پاٹنا مشکل ہو جائے گا۔

ممی احمد میرا مہمان ہے اسے پشاور سے میں نے بلایا ہے۔ یہ خود نہیں آیا۔ جب تک میں چاہوں گی یہ یہاں ٹھہرے گا۔ ممی آپ مجھ سے زیادہ پڑھی لکھی ہیں۔ زمانے کے نشیب و فراز مجھ سے زیادہ دیکھے ہیں۔ آپ یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ ہر آدمی کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ مجھے اچھی طرح سے پتہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک نہیں ہو سکتے۔ لیکن دو اچھے دوستوں کی طرح اکٹھے تو رہ سکتے ہیں۔ آپس میں مل تو سکتے ہیں۔

تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم اس دو پیسے کے چھوکرے کو مجھ پر ترجیح دیتی ہو۔

ممی میں نے آپ سے پہلے بھی گزارش کی ہے کہ آپ تہذیب کے دائرے میں رہ کر گفتگو کریں۔ آپ احمد کی نہیں بلکہ میری بے عزتی کر رہی ہیں۔ آپ بے شک بمبئی واپس چلی جائیں۔ میں پاکستان ہی میں رہوں گی۔ جس ملٹری سٹیشن پر احمد پوسٹ ہوگا میں وہاں ہی رہائش اختیار کروں گی۔ میرے اکاؤنٹس سب پاکستان میں ہیں۔ جیولری لاکرز میں محفوظ ہے۔ میں نے بمبئی جا کر کیا کرنا ہے۔

یہ ملازمت سے سبکدوش ہو جائے گا تو پھر تم کیا کرو گی۔ اس کے گاؤں جا کر اس کی خادمہ کے طور پر وہاں رہو گی۔

امی اگر ایسی نوبت بھی آئی تو مجھے یہ بھی قبول ہے۔ لیکن میں ان سے دور نہیں رہ سکتی۔

ٹھیک ہے۔ میں آج ہی بمبئی واپس جاتی ہوں۔ اپنی پنشن کا کیس تیار کروانا ہے۔ پھر فوجداری کیس کے لیے پولیس والے بھی مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔

***

اُسی دن حنا کی اُمی واپس بمبئی چلی گئی۔ حنا نے اور میں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس نیک بخت خاتون کو مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔ حنا نے بتایا کہ ممی جب سے موجو کے پاس قید میں رہی ہے اور جو کچھ اس سے وہاں سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ بہت چڑچڑی ہو گئی ہے۔

حنا مجھے آپ کی اُمی سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ انہوں نے بغیر کسی وجہ کے ہم دونوں کی بے عزتی کی ہے۔

احمد سویٹ لِلّٰہ معاف کر دو۔ میں زندگی بھر آپ کی ہو کر رہوں گی۔ آپ مجھے جس حال میں بھی رکھیں۔ میں بصد خوشی اُسے قبول کروں گی۔

حنا یہ بڑا ٹیڑھا معاملہ ہے۔ آخر اس کا انجام کیا ہو گا۔ تم خوبصورت ہو۔ دولت مند ہو۔ جوان ہو۔ جذبات سے لبریز ہو۔ یہ کٹھن اور طویل زندگی کیسے کٹے گی۔

کوئی مشکل نہیں۔ آپ کے قدموں میں کٹ جائے گی۔

حنا آخر ہم انسان ہیں۔ دونوں جوان ہیں۔ ایک دوسرے کی قربت میں رہتے ہوئے اگر کبھی ہم دونوں سے کوئی لغزش ہو گئی تو یہ بات میرے لیے موت سے کم نہ ہو گی۔

خدا پر بھروسہ کرو۔ میں تمہیں اس راہ پر چلنے کے لیے آمادہ نہیں کروں گی۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ تم خود اپنی جگہ پر ایک کوہ گراں ہو۔

میرے لیے تو آسان ہے۔ میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں۔ لیکن تم کب تک اپنے جذبات کا گلا گھونٹو گی۔

اس طرح کی جنسی گھٹن سے تو آدمی بیمار پڑ جاتا ہے۔

وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ اب خدا کے لیے تم مجھے بمبئی اُمی کے پاس واپس جانے کا مشورہ نہ دینا ورنہ میں رو پڑوں گی۔ وہ صوفے پر آ کر میرے پاس بیٹھ کر مجھ سے پیار

کی باتیں کرنے لگ گئی۔

ہم ہوٹل سے باہر بہت ہی کم نکلتے۔ صرف ایک دفعہ ایلفی اور ہاکس بے گئے ورنہ زیادہ وقت ہم اپنے کمرے ہی میں گذارتے۔ باتیں کرتے ہوئے جی ہی نہ بھرتا تھا۔ یوں لگتا جیسے ہم اب پہلی دفعہ ملے ہیں۔

حنا ارضی جنت اور سماوی جنت کا فرق دیکھا ہے۔ ارضی جنت میں حوروں کیساتھ اُن کی مائیں اُن کی گوشمالی کے لیے ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ جبکہ سماوی جنت میں اس بات کا کوئی خدشہ نہ ہوگا۔ میری یہ بات سُن کر وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ اور فضا میں ہر سُو پھول ہی پھول بکھر گئے۔

اب احمد صاحب آپ کا کیا پروگرام ہے۔

حضور والا۔ پروگرام یہ ہے کہ پندرہ دن آپ کے قدموں میں گذاروں گا۔ اس کے بعد پشاور واپس چلا جاؤں گا۔ سوچتا ہوں کافی دن ہوئے ہیں بچوں کو نہیں دیکھا۔ ایک آدھ دن پہلے بذریعہ ٹرین چلا جاؤں اور ان کو راستے میں دیکھتا جاؤں۔

اگر تم اجازت دو تو میں بھی تمہارے ساتھ آجاؤں۔ آپ کے بیوی بچوں سے میں بھی مل لوں گی۔

حنا مجھے شرم آتی ہے۔ میرے عزیز و اقارب ایک خوبصورت اور جوان عورت کو میرے ساتھ دیکھیں گے تو ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے شکوک جنم لیں گے۔ جس معاشرے سے میں آیا ہوں وہاں ایسا نہیں ہوتا۔ مفت میں میری بیوی اور بچوں کی دلشکنی ہوگی۔

چلیں ٹھیک ہے۔ میں نہیں آتی۔ بلکہ سیدھی پشاور چلی جاؤں گی۔ آپ گھر سے چکر لگا کر آجائیں۔

نہیں حنا تم تاج محل ہی میں رہو۔ میرا پوسٹنگ کسی پرمانینٹ سٹیشن پر ہو جائے تو پھر آپ وہاں شفٹ کر لیں۔ وہاں آپ مکان لے لیں۔ آرام سے وہاں رہیں۔ میں بھی وقتاً فوقتاً سلام کے لیے حاضر ہوتا رہوں گا۔

احمد! میں ان چند دنوں کی جدائی بھی نہیں برداشت کر سکتی۔ میں ڈسن ہوٹل میں رہ جاؤں گی۔ آپ بے شک اپنے میس (MESS) ہی میں رہیں۔

ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ میں نے اس کی بات کی تصدیق کی۔

٭ — ٭

پروگرام یہ بنا کہ میری چھٹی کے چار دن جب باقی ہوں تو کراچی سے چلا جائے۔ دو دن میانوالی تک لگیں گے۔ ایک دن ہی گاؤں میں رہوں گا اور ایک دن پھر گاؤں سے پشاور تک لگے گا۔ حنا اس ریل کے سفر کا سن کر بہت خوش ہوئی۔ ہم نے دو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ پشاور کے لیے حاصل کیے۔ مقررہ دن پر ہم کراچی کینٹ ریلوے سٹیشن سے سوار ہوئے۔ ہمارے لیے دو برتھ ریزرو تھے۔ حنا نے اس سفر کو بڑا انجوائے (ENJOY) کیا۔ آخر تیسرے دن صبح سویرے گاڑی میانوالی ریلوے سٹیشن پر جا پہنچی میں نے مشرق کی طرف کوہ لکیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حنا کو بتایا۔

حنا اس پہاڑ کے دامن میں جانب شمال میرا گاؤں ہے۔

یہاں سے کتنا دور ہے۔

تیس میل۔

یہاں سے آپ گاؤں کیسے جائیں گے۔

بس سے جاؤں گا۔

کتنی دیر لگے گی۔

دو گھنٹے میں میں اپنے گاؤں پہنچ جاؤں گا۔

٭ — ٭

گاڑی نے وسل دی۔ میں اپنا اٹیچی کیس اٹھا کر نیچے آ گیا۔ گاڑی چل پڑی۔ میں کافی دیر تک کھڑا حنا کو ویو (WAVE) کرتا رہا۔ وہ بہت دیر تک گاڑی کے دروازے میں کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی۔ آخر کار گاڑی ایک سیاہ نکتہ بن کر دور افق میں کھو گئی اور میں بوجھل قدموں سے چلتا ہوا ریلوے سٹیشن سے باہر آ گیا۔

فوراً ہی بس مل گئی اور میں تقریباً دو گھنٹے کے بعد گاؤں میں اپنے بچوں اور عزیز و اقارب میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دن میں نے بڑی خوشی اور مسرت سے اپنے بچوں میں گذارا ۔ عزیز و اقارب سے ملا۔ اگلے دن بعد دوپہر میں بذریعہ بس میانوالی کے لیے روانہ ہو گیا۔ اٹک جانے والی گاڑی شام کو سات بجے آتی تھی۔ اس لیے میں ویٹنگ رُوم میں آ کر سو گیا۔ چھ بجے کے قریب بیدار ہوا۔ نہایا اور پھر چائے منگوائی۔ چائے سے فراغت پا کر باہر پلیٹ فارم پر آ گیا۔ میانوالی ریلوے سٹیشن پر شام کو بڑی رونق ہوتی ہے۔ شہر کے اکثر آدمی شام کو ریلوے سٹیشن پر ضرور چکر لگانے کے لیے آتے ہیں۔ آخر سات بجے ریل گاڑی آ گئی اور مجھے فسٹ کلاس میں آسانی سے سونے کی جگہ مل گئی۔ رات بڑے آرام سے کٹی۔ گاڑی صبح سات بجے اٹک پہنچ گئی۔ وہاں سے گاڑی تبدیل کی اور میں پنڈی سے پشاور جانے والی گاڑی پر سوار ہو کر تقریباً تین گھنٹے کے بعد پشاور چھاؤنی کے ریلوے سٹیشن پر جا پہنچا۔ وہاں حنا میرے استقبال کے لیے موجود تھی۔ مجھے خوش آمدید کہا اور میرا اٹیچی کیس اُٹھا کر باہر آ گئی۔ اس نے ایک ٹیکسی منگوائی اور پھر ڈرائیور کو ڈین ہوٹل چلنے کے لیے کہا۔ میں نے حنا کو بتایا کہ مجھے جلدی اپنی یونٹ میں پہنچایا جائے۔ کیونکہ آج میری چھٹی نہیں ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ آپ ناشتہ کر لیں پھر میں آپ کو وہاں چھوڑ آؤں گی۔ ناشتہ ختم ہوا تو اس نے سرونٹ کو کہا کہ ایک ٹیکسی ہمارے لئے منگواؤ۔ ٹیکسی آ گئی اور ہم خیبر بیرکس جا پہنچے۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو کہا کہ گیٹ پر ٹیکسی روک لو۔

احمد اسے اندر جانے دو۔ وہاں تک ہمیں چل کر جانا پڑے گا۔

نہیں حنا۔ فوجی قانون کے مطابق کوئی خاتون فوجی سپاہیوں کی بیرکس یا کیمپوں میں نہیں جا سکتی۔ یہ بات میں نے پہلے بھی جہلم کے قیام کے دوران میں آپ کو بتائی تھی۔

ساری احمد۔ یہ بات میرے ذہن سے اُتر گئی تھی۔

اور پھر حنا اسی ٹیکسی میں ڈین ہوٹل واپس چلی گئی۔ اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ اللہ یار خان کمرے میں موجود تھا۔ اُس نے مجھے آتے ہی بتایا کہ ایس۔ ایس او صاحب (S.S.O) صبح سے دو مرتبہ ٹیلی فون کر چکے ہیں۔ انہوں نے پیغام دیا ہے کہ احمد صاحب جب بھی آئیں ان کو کہیں کہ

وہ فوراً سٹیشن ہیڈکوارٹر آئیں اور مجھے ملیں۔

میں ایس۔ایس۔او (S.S.O) کے پاس گیا۔اس نے مجھے بتایا کہ جہلم سے آپ کی یونٹ والوں نے دو دفعہ ٹیلی فون کیا ہے۔آپ کے آفیسر کمانڈنگ مجھ پر بگڑ رہے تھے کہ میں نے آپ کو چھٹی کیوں دی ہے۔بہرحال آپ آج کی گاڑی سے جہلم جانے کی تیاری کرلیں۔آپ جائیں۔تیاری کریں۔موومنٹ آرڈر اور ریلوے وارنٹ آپ کو تھوڑی دیر میں پہنچ جائے گا۔

مجھ پر ایک بجلی سی گری۔میں حواس باختہ ہوکر سٹیشن ہیڈکوارٹر سے واپس اپنے گھر میں آگیا۔اللہ یار کو سب صورت حال سے آگاہ کیا۔میں نے اسے بتادیا کہ تیاری کرلو شام کو گاڑی سے جہلم جائیں گے۔اس کو بتاکر میں نے ایس۔ایس۔او کو ٹیلی فون کیا۔

سر میں احمد بول رہا ہوں۔موومنٹ آرڈر میں میرے بیٹ مین (BATMAN) سگنل مین اللہ یار خان کا نام بھی شامل کریں۔میں جہلم سے آتے وقت اُسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ایس۔ایس۔او نے کنفرم کیا کہ اس کا نام بھی شامل ہوجائے گا۔اس کے بعد میں نے ڈین ہوٹل میں حنا کو فون کیا اور اُسے نئے حالات وواقعات سے آگاہ کیا۔وہ بھی یہ سن کر ششدر رہ گئی۔حواس مجتمع کرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگی۔

احمد صاحب سب پروگرام ہی اَپ سیٹ ہوگیا ہے۔اس دفعہ میرا پروگرام سوات جانے اور خیبر پاس دیکھنے کا تھا۔میں پچھلی دفعہ آئی تو آپ کی تیمارداری میں لگی رہی اور پھر مجھے اچانک واپس جانا پڑ گیا۔

یار زندہ صحبت باقی۔اگر زندگی ہوئی تو پھر اور کئی مواقع میسر آئیں گے۔

احمد میں تمہارے لیے ٹیکسی بھیجتی ہوں۔تھوڑی دیر کے لیے تم یہاں آجاؤ تاکہ نیا پروگرام بنائیں۔

بہت اچھا۔اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی نے ہمارے گیٹ پر آکر ہارن بجاکر اپنی آمد کا اعلان کیا۔میں اللہ یار خان کو بتاکر ڈین ہوٹل چلا گیا۔دوپہر کا کھانا وہاں حنا کے ساتھ کھایا۔آخر کار ہم دونوں کے درمیان یہی طے ہوا کہ حنا کا پشاور میں اکیلا رہنا ٹھیک نہیں

وہ بھی میرے ساتھ جہلم چلے گی۔ اسی وقت ہوٹل کے مینجر کو کہہ کر دو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ منگوائے اور سیٹیں ریزرو کروائیں اور پھر میں واپس یونٹ میں آگیا۔ واپسی پر اللہ یار نے مجھے موومنٹ آرڈر اور ریلوے وارنٹ دیا۔ شام کی گاڑی سے ہم تینوں جہلم کے لیے روانہ ہو گئے۔ اللہ یار خان نے حنا کو دیکھا تو مجھ سے کہنے لگا۔

سر یہ سوہنی کڑی ادھر بھی آپ کے پیچھے آگئی ہے۔ یہ تو آپ کو تباہ کر کے چھوڑے گی میں ہنس پڑا اور اللہ یار خاں جھینپ گیا۔

پـــــ پ

آدھی رات کے لگ بھگ ہم جہلم پہنچ گئے۔ رات وہاں ہی ویٹنگ رُوم میں بسر کی۔ صبح وہاں ہی ناشتہ منگوایا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے یونٹ میں گاڑی بھیجنے کے لیے ٹیلی فون کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک فوجی گاڑی وہاں آگئی۔ میں نے اپنا سامان اس گاڑی میں رکھوایا اور اللہ یار کو ساتھ بیٹھنے کے لیے کہا۔ ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ اسے یونٹ میں لے جائے۔ میں تھوڑی دیر میں خود پہنچ جاؤں گا۔ اللہ یار کو میں نے ہدایت کی کہ وہ اس سوہنی کڑی کے متعلق کسی سے بات نہ کرے۔

ان کے چلے جانے کے بعد میں حنا کو لے کر ایک ہوٹل میں آگیا۔ اس کو وہاں کمرہ لے کر دیا۔ مینجر میرا جاننے والا تھا۔ میں نے اس کو ہدایت کی کہ بیگم صاحبہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ان کی ہر طرح سے دیکھ بھال کریں۔ میں بھی دن میں ایک دو چکر لگایا کروں گا۔

میں تانگے میں بیٹھ کر کیمپ میں آگیا۔ آفیسر کمانڈنگ کو میری آمد کی اطلاع مل چکی تھی میرے پہنچتے ہی سینئر سردار بھاگتا ہوا میرے ٹینٹ میں آگیا

خوش آمدید۔ ملک صاحب۔ خیریت ہے۔ آپ کی صحت ٹھیک ہے۔

شکر ہے اللہ پاک کا اب ٹھیک ہوں۔

میجر صاحب نے کہا ہے کہ آپ وردی پہن کر جلدی ان کو رپورٹ کریں۔

خیریت تو ہے۔

خیریت ہی تو نہیں ہے جناب۔ میجر ملک صاحب پوسٹ ہو کر چلے گئے ہیں۔ نئے آفیسر کمانڈنگ

آئے ہیں۔ ان کو کور ہیڈکوارٹر کے افسروں نے آپ کے متعلق بہکایا ہے۔
کیوں۔ کور ہیڈکوارٹر کے افسروں کو مجھ سے کیا ضرر پہنچا ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ آپ کرنل سعید کی بیگم کو لے گئے ہیں۔
کرنل سعید صاحب نے کوئی رپورٹ کی ہے۔

جی نہیں۔

تو کرنل سعید کی بیگم ان کی کیا لگتی ہے۔ ان کو کیا دُکھ پہنچا ہے۔ اچھا صاحب آپ میجر صاحب بتا دیں کہ میں تیار ہو کر آ رہا ہوں — اور پھر میں دفتر جانے کی تیاری کرنے لگ گیا۔ میں تھوڑی دیر میں تیار ہو کر دفتر جا پہنچا۔

سینئر سردار نے آفیسر کمانڈنگ کو جا کر رپورٹ دی۔ انہوں نے مجھے اندر بلایا۔ میں نے میجر افضل کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ نچلے رینک سے میجر بنا تھا۔ اس لیے کافی ڈرپوک قسم کا آدمی تھا۔ اُوپر والوں سے بہت ڈرتا تھا۔ نیچے والوں کے لیے ٹیرر (TERROR) بنا ہوا تھا پہلے تو مجھے اُوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا۔ پھر مختلف زاویوں سے میرے یونیفارم کی انسپیکشن کرتا رہا۔ پھر ایک معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ اور مضحکہ خیز انداز میں "ہوں" کہا۔

اچھا تو آپ ہیں احمد صاحب۔ آپ کی بڑی شہرت سُنی ہے۔
کس بات کی شہرت سَر۔

اس نے سینئر سردار کو جانے کے لیے کہا۔ ان کے چلے جانے کے بعد ان کے موڈ میں کچھ نرمی آ گئی۔

احمد صاحب۔ ہیڈکوارٹر کے سب آفیسرز آپ کے خلاف ہیں۔ انہوں نے جنرل صاحب کو بتایا ہے کہ آپ کرنل سعید صاحب کی بیگم کو لے گئے ہیں۔
کرنل سعید نے آپ کے پاس کوئی رپورٹ کی ہے یا کور ہیڈکوارٹر میں کسی سے کی ہے۔
نہیں۔ اُس نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔
آپ نے کرنل سعید صاحب سے بات کی ہے۔

نہیں۔ میں نے بھی نہیں کی۔

سر۔ اگر ایسا قصہ ہوتا تو کرنل سعید سب سے پہلے میرے خلاف ہماری یونٹ میں رپورٹ کرتا۔ لیکن صاحب یہ ٹو سپلن کی بات ہے۔ کور ہیڈ کوارٹر کے سینئر افسروں نے خود بخود اس بات کا نوٹس لیا ہے۔

بیگم سعید کور ہیڈ کوارٹر کے افسروں کی کیا لگتی ہے۔ ان کو اتنا رنج کیوں پہنچا ہے۔ جبکہ کرنل سعید صاحب کو اس کا کوئی ملال نہیں ہے۔

میجر افضل کا موڈ ایک دم بدل گیا۔ وہ غصے میں آکر مجھ سے کہنے لگا۔

صاحب۔ فضول قسم کی باتیں نہ کریں۔

سر۔ آپ ان کو بتا دیں کہ وہ جے۔ سی۔ او آگیا ہے۔ جو ڈسپلنری ایکشن اس کے خلاف لینا ہو۔ لے لیں۔ اور یہ کہہ کر میں اس کی اجازت کے بغیر باہر نکل آیا۔

میجر صاحب مجھے بلاتا رہا۔ لیکن میں نے نتائج کی پرواہ کیے واپس اندر نہ گیا۔ میں اپنے دفتر میں آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کور ہیڈ کوارٹر میں کسی سینئر افسر سے فون پر بات کر رہا تھا۔

سر۔ کون۔ اے۔ جی صاحب بول رہے ہیں۔ سر وہ جے۔ سی۔ او پشاور سے آگیا ہے اب اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپ کے پاس لے آؤں۔ اچھا سر ابھی لے کر آتا ہوں۔

اور پھر میجر افضل۔ اپنے دفتر سے نکل کر میرے دفتر کے ٹینٹ میں آگیا اور مجھ سے کہنے لگا۔

صاحب۔ آپ اچھی وردی پہن کر آئیں۔ آپ کو جنرل صاحب کے سامنے جانا ہے۔ (یعنی پیش ہونا ہے۔)

میرے پاس یہی سب سے اچھی وردی ہے۔ جو میں نے پہن رکھی ہے۔ میرا جواب سن کر میجر افضل شرمندہ ہو گیا۔ اس نے جیپ منگوائی اور مجھے اور سینئر سردار کو اس میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے میجر افضل سے پوچھا کہ سینئر سردار کا وہاں کیا کام ہے۔

یہ اسکورٹ (ESCORT) کے طور پہ جا رہے ہیں۔

میری چارج شیٹ تو آپ نے فریم کی ہی نہیں۔ اسکورٹ کس بات کا۔

ٹھیک ہوتا ہے۔ میجر افضل نے مہمل سا جواب دیا۔
میں کورہیڈ کوارٹر نہیں جاتا۔ پہلے آپ میری چارج شیٹ بنائیں۔ مجھ پڑھ کر سنائیں
تاکہ مجھے پتہ ہو کہ میرے خلاف الزام کیا ہے۔ میں ایسے نہیں جاتا۔ آپ کورہیڈ کوارٹر میں
بے شک اُن خدائی فوجداروں کو بتا دیں۔
اس کی ساری اکڑ فوں جاتی رہی اور وہ منت سماجت کرنے پر اُتر آیا۔
صاحب آپ چھوڑیں ان قانونی باتوں کو۔" میری نوکری نہ خراب کریں۔" چلیے سینئر
سردار صاحب کو ساتھ نہیں لے جاتے۔ اور اس نے سینئر سردار صاحب کو کہا صاحب
آپ جائیں آرام کریں۔
سینئر سردار جیپ سے اُتر آیا۔ میں جیپ میں سوار ہو گیا۔ فوراً ہی وہ مصلحت اندیش آفیسر
مجھے کورہیڈ کوارٹر میں ا۔ ج کے پاس لے گیا۔
میجر صاحب نے اسے سلیوٹ کیا اور رپورٹ دی۔
سر آپ کے حکم کی تعمیل میں صوبے دار احمد صاحب کو پشاور سے واپس منگوا لیا ہے
اور اب میں اُن کو آپ کے سامنے پیشی کے لیے لے کر آیا ہوں۔
فوجی افسروں کی یہ بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ اجنبی آدمیوں پر مفت کا رعب گانٹھتے ہیں۔
ا۔ ج نے بے اعتنائی سے کہا۔ ٹھیک ہے۔ اُس نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر
اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ہم دونوں اس کے سامنے اٹینشن (ATTENTION) کھڑے
رہے۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے نظریں اُوپر اُٹھائیں
اور میجر افضل سے کہنے لگا۔
میجر صاحب ایس۔ جے۔ سی۔ او سے سب بات پوچھی ہے۔
پوچھی ہے سر لیکن یہ کہتے ہیں مجھے اس کے متعلق کچھ خبر نہیں۔
ابھی اس کو سب خبر لگ جائے گی اور پھر اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
کیوں اوئے کدھر ہے کرنل سعید کی بیگم۔
اوئے کا کیا مطلب ہے۔ جی سی اوز (JCOS) سے اس طریقے سے بات کی جاتی ہے۔

چپ رہو۔ زبان مت کھولو۔
کرنل صاحب میں بھی اس طرح کی غیر شائستہ گفتگو سننے کا عادی نہیں ہوں۔ میں نتائج سے بے پرواہ ہوکر آپ سے بات کر رہا ہوں۔ آپ انسانیت کے دائرے کے اندر رہ کر مجھ سے بات کریں۔ ورنہ آپ کی وہ بے عزتی کروں گا کہ آپ جتنا عرصہ فوج میں رہیں گے۔ میرے الفاظ آپ کو نہ بھولیں گے۔
بکومت۔ اے۔ جی نے شیر کی طرح بپھرتے ہوئے کہا۔
تم بھی بکواس کرنا بند کرو۔ میں نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔
میجر افضل نے بیچ بچاؤ کرانا چاہا لیکن میں نے اس کو جھڑک دیا۔
اے۔ جی کی اور میری باتیں سن کر کور ہیڈ کوارٹر کے اور آفیسرز بھی اکٹھے ہو گئے۔ جنرل صاحب بھی اپنے دفتر سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے اے۔ جی سے پوچھا۔
یہ سب کیا ہنگامہ ہے۔
سر میجر افضل اس جے سی۔ او کو لائے ہیں جس نے کرنل سعید کی بیگم کو اغوا کیا ہے۔
کرنل سعید کی بیگم کب اغوا ہوئی ہے۔ میں نے تو نہیں سنا۔
سر کافی دن پہلے یہ جے سی او اُسے بھگا کر لے گیا ہے۔
کہاں لے گیا ہے۔ جنرل صاحب نے پوچھا
سر یہ اُسے اپنے ساتھ لیے چھپتا پھر رہا ہے۔
سر یہ سب غلط ہے۔ میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ میں کہاں چھپتا پھر رہا ہوں پشاور میں تھا۔ کل مجھے واپس آنے کا آرڈر ملا ہے۔ آج یہاں آگیا ہوں۔
جنرل صاحب نے اے۔ جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کرنل سعید کی یونٹ سے کوئی سرکاری طور پر ایسا لیٹر کور ہیڈ کوارٹر میں آیا ہے کہ یہ صاحب اس کی بیگم کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔
نہیں سر ایسا لیٹر تو کوئی نہیں آیا۔
کرنل صاحب نے آپ کے پاس کوئی شکایت کی ہے۔

نہیں سر اس نے بھی نہیں کی۔
تو آپ کو خدائی فوجدار کس نے بنایا ہے کہ خواہ مخواہ ٹھٹرے کر اس بے چارے کے پیچھے پڑ گئے ہو۔
لیکن سر یہ تو ڈسپلن کی بات ہے۔
اس جے سی او کے ڈسپلن کا ذمہ دار ان کا آفیسر کمانڈنگ ہے۔ یا چیف سگنل آفیسر۔ آپ کا یہ کام نہیں ہے۔
جنرل صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب یہ قصہ کیا ہے۔"
سر میں آپ کو تنہائی میں تفصیل سے یہ قصہ عرض کروں گا۔
جنرل صاحب مجھے ساتھ لے کر اپنے دفتر میں واپس چلے گئے۔ انھوں نے کمال مہربانی سے مجھے کرسی پر بٹھایا چائے پلائی اور پھر فرمانے لگے۔
صاحب کیا قصہ ہے مجھے ذرا تفصیل سے بتائیں۔
سر میری گذارش یہ ہے کہ وہ خاتون بھی ادھر آئی ہوئی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو بھی لے آتا ہوں۔ ہم دونوں قرآن کریم پر حلف اٹھا کر آپ کے سامنے بیان دیں گے۔
کہاں ہے وہ خاتون۔ جنرل صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے معلوم کرنا چاہا۔
سر یہاں ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔
آپ کو کیسے پتہ چلا ہے
سر وہ کراچی سے پشاور میرے ساتھ آئی تھی۔ اس کا سوات جانے کا پروگرام تھا۔ چونکہ یونٹ والوں نے مجھے اچانک واپس بلا لیا۔ اس لیے وہ بھی میرے ساتھ جہلم آگئی ہیں۔
آپ کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔
سر وہ ایک بے آسرا خاتون ہے۔ میں ازراہ انسانی ہمدردی اس کا ساتھ دے رہا ہوں۔ اُسے ان ہوس پرست بھیڑیوں سے بچانے کے لیے سینہ سپر ہوں۔ اس سٹیشن

کے بہت سے آفیسرز اس کو زیرِ دام لانے کی فکر میں ہیں۔ میں چونکہ ان کی راہ میں حائل ہوں اس لیے وہ میرے جانی دشمن ہو گئے ہیں۔

اس سے زیادہ تو اور کچھ بات نہیں۔ جنرل صاحب نے مسکراتے ہوئے از راہِ تفنن طبع پوچھا۔

سر میں نے آپ کو پیش کش کی ہے کہ ہم دونوں قرآن کریم پر حلف اُٹھا کر جو بھی بات آپ پوچھیں گے اس کا جواب دیں گے۔

اچھا تو آپ جائیں میری گاڑی لے جائیں اور اس خاتون کو ساتھ لے آئیں۔ جنرل صاحب نے ڈرائیور کو بلا کر میرے ساتھ چلنے کی ہدایت کی۔

***

میں گاڑی لے کر ہوٹل میں گیا۔ حنا نہا دھو کر صاف کپڑے پہنے اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو میرے استقبال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے مختصر الفاظ میں اسے سب صورتِ حال سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ میرے ساتھ ہیڈ کوارٹر میں چلے۔ کیونکہ چند بدخواہوں نے جو سکینڈل بتایا ہے اس کے متعلق جنرل صاحب ہم دونوں سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ میں نے جنرل صاحب کو پیش کش کی ہے کہ ہم دونوں قرآن کریم پر حلف اُٹھا کر پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں گے۔ میں نے حنا کو کہا کہ آپ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

میں تیار ہوں آپ ٹیکسی یا تانگے کا کوئی انتظام کریں۔

جنرل صاحب نے آپ کو لے آنے کے لیے اپنی گاڑی دی ہے۔

ہم دونوں اس گاڑی میں بیٹھ کر کور ہیڈ کوارٹر آ گئے۔ جونہی ہماری گاڑی رکی۔ جنرل صاحب کو چھوڑ کر کور ہیڈ کوارٹر کے تمام افسر ہمیں دیکھنے کے لیے باہر نکل آئے۔ میں نے کسی سے کوئی بات نہ کی۔ حنا کو لے کر سیدھا جنرل صاحب کے دفتر میں چلا گیا۔ ہم دونوں نے جنرل صاحب کو سلام کیا۔ انہوں نے کمال مہربانی سے ہمیں بیٹھنے کے لیے کہا۔ ہم بیٹھ گئے۔ فوراً ہی چائے آ گئی۔ جنرل صاحب نے بھی ہمارے ساتھ چائے

پی۔ جنرل صاحب حنا سے کہنے لگے۔ بیٹی آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ کے اور احمد صاحب کے متعلق کور ہیڈ کوارٹر کے افسران نے ایک اچھا خاصا سکینڈل بنا دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق آپ وضاحت سے صحیح صورت حال سے مجھے آگاہ کریں۔

سَر احمد صاحب نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ بیشتر اس کے کہ ہم دونوں آپ کی خدمت میں اپنی گذارشات پیش کریں۔ مَیں آپ کی خدمت میں التماس کرتی ہوں کہ آپ مہربانی سے کرنل سعید صاحب کو یہاں بلوائیں تاکہ مَیں جو کچھ عرض کروں۔ سب بات ان کے سامنے ہو۔ اگر اس میں اتنی اخلاقی جرأت ہے تو وہ میری باتوں کی تردید کرے۔ باقی ان لوگوں کا یہ کہنا کہ احمد صاحب نے کرنل سعید کی بیگم کو اغوا کر لیا ہے۔ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضور والا! مَیں کرنل سعید کی بیوی نہیں ہوں۔ احمد صاحب کا صرف یہ قصور ہے کہ انہوں نے مجھے سعید اور جیسے اور ہوس پرستوں کی بھینٹ چڑھنے سے بچایا ہے۔ اس سٹیشن کے معدودے چند آرمی آفیسرز کو چھوڑ کر بیشتر نے مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی کئی بار کوششیں کیں۔ ان میں سرفہرست نام آپ کے ا۔ ڈ صاحب کا ہے۔

کیا آپ کرنل سعید کی بیوی نہیں ہیں۔ جنرل صاحب نے حیرت زدہ ہو کر حنا سے پوچھا۔

جی نہیں۔

تو آپ اس کے ساتھ کیسے رہ رہی تھیں۔

سَر یہی تو آپ کو بتانے والی بات ہے۔ اور پھر حنا نے جنرل صاحب کو پوری تفصیل سے، مہاراج کے حرم میں جانے اور وہاں سے واپس آنے اور سعید کے ساتھ اور میرے ساتھ مراسم کی استواری کی مکمل روئیداد سنائی۔

جنرل صاحب نے کرنل سعید کو ٹیلی فون کیا کہ آپ میرے دفتر میں فوراً آئیں۔ بڑی اہم باتیں آپ سے پوچھنی ہیں۔ اس دوران میں ہم دونوں جنرل صاحب کے پاس بیٹھے رہے تھوڑی ہی دیر میں کرنل سعید نے دروازہ ناک (KNOCK) کیا اور اجازت طلب کر کے اندر آ گیا۔ فوجی انداز میں سلیوٹ کیا۔ اس کی طرف ہم دونوں کی پیٹھ تھی۔ اس لیے اس نے ہمیں

پہلی نظر میں نہ دیکھا۔

جنرل صاحب نے سعید کو کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔

جب وہ بیٹھنے لگا تو اس نے ہماری طرف دیکھا تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

حنا تم یہاں۔

جی جناب۔ حنا نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

کرنل سعید آپ کو میں نے اس لیے بلایا ہے کہ ان دونوں کے متعلق آپ سے کچھ باتوں کی وضاحت طلب کر سکوں۔ جنرل صاحب نے سعید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

سر آپ جو کچھ پوچھنا چاہیں۔ میں حاضر ہوں۔

یہ خاتون آپ کی بیوی ہے۔

جی نہیں۔

یہ آپ کے ساتھ مختلف سٹیشنوں پر آرمی اکاموڈیشن میں رہتی رہی ہیں۔

جی سر۔ رہتی رہی ہیں۔

کس حیثیت سے۔

ایک دوست کی حیثیت سے۔

یہ آپ کی کیپ (KEEP) ہے۔

جی نہیں۔

ایک جوان مرد اور ایک جوان اور خوبصورت عورت۔ آپ لوگ کس حیثیت سے یکجا رہتے رہے ہیں۔ کیا آپ کے آپس میں کچھ افیرز (AFFAIRS) تھے۔

نہیں سر۔

یہ بڑی حیران کن بات ہے۔ آپ اس جے۔ سی۔ او کو جانتے ہیں۔

جی ہاں۔ ان کو میں اور حنا ایک رات فٹ پاتھ سے اُٹھا کر لائے تھے۔ پھر ان کی حنا کے ساتھ ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔

ان کے اور حنا کے آپس کے تعلقات کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

سر میں سمجھتا ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ ان کے تعلقات محض انسانی ہمدردی تک محدود ہیں۔ سر میں ایک بات کی وضاحت کر دوں۔ میں پچھلے چار سال سے حنا کو جانتا ہوں۔ یہ جوان ہے۔ خوبصورت ہے۔ لیکن اس کے اندر کی عورت زندہ نہیں ہے۔ یہ کسی مرد سے بھی جنسی تعلقات استوار نہیں کر سکتی۔ یہ عورت کی شکل میں ایک مرد ہے۔ یہ جس سے بھی پیار کرتی ہے، ٹوٹ کر پیار کرتی ہے۔

آپ اس پوسٹ سے الگ ہو کر جب میس (MESS) سے چلے گئے تو آپ نے اس بات کا کبھی کسی سے ذکر کیا۔

نہیں سر۔ میں نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

آپ نے کبھی کور ہیڈ کوارٹر میں سرکاری طور پر اس بات کی رپورٹ کی کہ یہ جے۔ سی۔ او حنا کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔

نہیں سر۔ اغوا تو تب ہوتا کہ ان کے درمیان کوئی جنسی تعلقات ہوتے یا کسی اور مقصد کے لیے اسے لے جاتا۔ یا اور کسی طرح کا مفاد حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا۔

تو کور ہیڈ کوارٹر کے افسروں نے یہ سکینڈل کیوں کھڑا کر دیا ہے۔

سر سچ پوچھیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ جب بھی حنا میرے ساتھ کلب آتی۔ یہ لوگ پروانوں کی طرح اس کے گرد منڈلانا شروع کر دیتے تھے۔ اور ہر آدمی اسے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتا۔ جب ان میں سے یہ کسی کے قابو نہ آئی تو ان لوگوں نے انتقاماً یہ حربے استعمال کرنے شروع کر دیے۔

جب یہ خاتون آپ کے ساتھ رہ رہی تھی تو کبھی آپ نے اس کے ساتھ انسانیت سوز سلوک روا رکھا۔

سر مجھ سے ایک دن یہ غلطی ہوئی ہے۔ جس کے لیے عمر بھر میری ضمیر مجھے کوستی رہے گی۔

یہی بات تم دونوں میں جدائی کا باعث بنی۔

جی سر۔ میری اس نازیبا حرکت کی وجہ سے ہی حنا کو مجھ سے نفرت ہو گئی۔ اور میں بھی اس کو فیس (FACE) نہ کر سکتا تھا۔

کرنل سعید آپ سچے آدمی ہیں۔ آپ نے اپنا جرم بھی قبول کر لیا ہے۔ اس لیے میں آپ کی ہر بات کو صحیح مانتا ہوں۔ اپنی غلطی کو تسلیم کرنے ہی میں انسان کی عظمت ہے۔ بہت شکریہ آپ کا۔ آپ نے میری ایک بڑی اُلجھن کو سلجھا دیا۔ اگر ذرا سی بے احتیاطی ہو جاتی یہ بے چارے مارے جاتے۔ آپ کا بہت شکریہ۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔

کرنل سعید وہاں سے چلا گیا۔ اس نے جاتے وقت ہم دونوں سے الگ سلام دعا کی۔ اس کے جانے کے بعد جنرل صاحب ہم دونوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"بچو! مجھے افسوس ہے۔ چند ناعاقبت اندیش آدمیوں نے تم دونوں کو بہت بدنام کیا ہے۔ اس بات کا ازالہ تو اب نہیں ہو سکتا۔ بہرحال جن لوگوں نے اس قضیئے میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ میں اُن سے نپٹ لوں گا۔ آپ دونوں بتائیں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

میں نے جنرل صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ان کی خدمت میں عرض کیا۔

مگر میں اب اس یونٹ میں اور اس سٹیشن پر نہیں رہنا چاہتا۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ ازراہ کرم مجھے کسی دوسرے سٹیشن پر پوسٹ کروا دیں۔ میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔

میں آپ کے چیف سگنل آفیسر صاحب کو بلاتا ہوں۔ ان سے کہتا ہوں۔ وہ آج ہی اس کا انتظام کریں۔

جنرل صاحب نے خود ہی سی۔ ایس۔ او (C.S.O) کو ٹیلی فون کیا۔ اور ان کو اپنے دفتر میں آنے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر میں وہ آ گئے۔ انہوں نے جنرل صاحب کو سیلوٹ کیا جنرل صاحب نے ان کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ جب وہ ہمارے ساتھ والی کرسی پر بیٹھنے کے لیے بڑھے تو ہم دونوں احتراماً اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اس عزت افزائی کے لیے ہمارا شکریہ ادا کیا۔ اور میرے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھ گئے۔ جنرل صاحب نے ان کے لیے چائے منگوائی ہم دونوں سے بھی چائے کے لیے پوچھا۔ لیکن ہم نے معذرت کی۔

جنرل صاحب نے چیف سگنل آفیسر صاحب سے پوچھا — آپ اس صوبیدار صاحب

کو جانتے ہیں۔

سر بہت اچھی طرح سے۔

یہ کیسے آدمی ہیں، ان کی کور آف سگنل میں کیسی شہرت ہے۔

سر یہ ہماری کور کے چند اچھے جونیئر کمیشنڈ آفیسرز میں سے ہیں۔ یہ نہایت ہی شریف النفس اور اچھے خاندان کے فرد ہیں

اس خاتون کے ساتھ ان کے تعلقات کے بارے میں آپ کچھ جانتے ہیں۔

سر میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ خاتون ایک بے آسرا خاتون ہے۔ بڑی امیر کبیر خاتون ہے جوان ہے۔ خوب صورت ہے۔ اس وجہ سے چند ہوس پرستوں نے اس کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ احمد صاحب ایک حادثے کے نتیجے میں اس سے ملے ہیں۔ اس وقت سے لے کر اب تک یہ اس خاتون کی ہر مرحلہ پر مدد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ ان کے تعلقات محض انسانی ہمدردی تک ہی محدود ہیں۔ صوبیدار صاحب ایک دیرینہ فوجی گھرانے کے فرد ہیں۔ ان لوگوں کی علاقائی اور خاندانی روایات کے مطابق اب یہ اس کش مکش سے پسپائی اختیار نہیں کر سکتے۔ پہلے ان کے آفیسر کمانڈنگ میجر ظہور الحق ملک تھے۔ انہوں نے مجھے سب صورتِ حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ وہ پوسٹنگ چلے گئے ہیں۔ ان کی جگہ میجر افضل آئے ہیں۔ ان کے ا۔ ج اور دوسرے افسروں نے کان بھرے ہیں۔ ان کو اُکسا کر صوبیدار صاحب کے بالمقابل لا کھڑا کیا۔ یہ بے چارے تو بیمار تھے۔ اور کافی دنوں تک سی۔ ایم۔ ایچ پشاور میں زیرِ علاج رہے۔

اچھا آپ کا بہت شکریہ۔ آپ نے یہ گتھی سلجھانے میں میری مدد کی۔ میں نے آپ کو یہاں اس لیے بلایا ہے کہ صوبیدار صاحب نے عرض کی ہے کہ یہ اب اس یونٹ میں اور اس ہیڈ کوارٹر پر نہیں رہنا چاہتے۔ آپ مہربانی سے کمانڈنگ سگنل ٹریننگ سنٹر کو ٹیلی فون کریں اور ان سے کہیں کہ وہ احمد صاحب کو لاہور پوسٹ کر دیں۔ ان کا بیٹ مین (BATMAN) بھی ان کے ساتھ جائے گا۔ یہ آج ہی پشاور جائیں گے اور وہاں سے اپنا سامان لے کر اپنی نئی یونٹ کو چلے جائیں گے۔ ان کو دس دن کا جائننگ ٹائم

(JOINING TIME) بھی دیں۔ ان کی سالانہ رپورٹ (A.C.R) یا آپ لکھیں یا میجر ظہور الحق ملک سے لکھوائیں۔ یہ یقین کریں کہ ان کا موجودہ آفیسر کمانڈنگ ان کی رپورٹ نہ لکھے۔

بہت اچھا سر۔ آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہو گی — اور پھر سی۔ ایس۔ او (C.S.O) صاحب میجر افضل۔ مجھے اور حنا کو اپنی سٹاف کار میں بٹھا کر اپنے دفتر میں لے آئے۔ وہ میرے دیرینہ کرم فرما تھے۔ ہم دونوں بہت عرصہ اکٹھے رہ چکے تھے۔ اس وقت سے میرے اُن کے ساتھ اچھے مراسم تھے۔ انہوں نے پہلے ہم تینوں کو چائے پلائی اور بعد میں میجر افضل کو جھاڑ پلائی۔

چیف صاحب نے میجر افضل سے پوچھا۔

افضل آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا آپ سی۔ ایس۔ او (C.S.O) کے ماتحت ہیں یا کور کے G.I کے

سر سی ایس او (C.S.O) کے ماتحت ہوں۔

آپ نے G.I کے کہنے پر صوبیدار صاحب کو پشاور سے کیوں واپس بلایا، جبکہ بیمار تھے۔ اور پہلے کمانڈنگ آفیسر نے میری اجازت سے ان کو وہاں آرام کرنے کی خاطر بھیجا تھا۔

سر مجھ سے یہ غلطی ہو گئی ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔

آپ پرانے آدمی ہیں۔ ہم دونوں سے آپ کی نوکری زیادہ ہے۔ آپ کو یہ پتہ ہونا چاہیے تھا کہ آپ ہر معاملے میں سی ایس او (C.S.O) کے ماتحت ہیں۔ G.I کو سگنل کے آدمیوں کا ڈسپلن سدھارنے کا اختیار کس نے دیا ہے۔

میجر افضل سر جھکائے بیٹھا رہا۔ اس کے رویے سے ندامت کا اظہار ہوتا تھا۔

—

چیف صاحب نے ہمارے سامنے سنٹر کمانڈنٹ کو ٹیلی فون کیا اور کور کمانڈر صاحب کے احکامات سے ان کو آگاہ کیا اور پھر میرے فوری پوسٹنگ کے لیے کہا۔

کمانڈنٹ نے کہا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں آپ کو پوسٹنگ آرڈر کا نمبر دیتا ہوں ۔ آپ لاہور کے۔ یہ صوبے دار صاحب اور ان کے بیٹ مین (BATMAN) کا موومنٹ آرڈر بے شک اسٹوع کروا دیں۔

چیف صاحب نے حنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ بیٹا! احمد صاحب سے یہ دوستی تو آپ کو بہت مہنگی پڑی ہے۔

سر مجھے افسوس ہے کہ ایک بے گناہ آدمی کو میری وجہ سے بدنامی اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

یہ نیک بخت سادہ آدمی ہے۔ جو بات منہ سے نکال دیتا ہے پھر اگر اس کی جان بھی چلی جائے تو یہ پیچھے نہیں ہٹتا۔

سر میں ان کی محبت، جوانمردی اور خلوص کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ ان کی انہوں باتوں نے مجھے ان کا گرویدہ بنا لیا ہے۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ سنٹر کمانڈنٹ نے سی۔ ایس۔ او (C.S.O) کو پوسٹنگ آرڈر کا نمبر بتایا۔ مختصر سی رسمی گفتگو کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔ چیف صاحب نے میجر افضل کو کہا کہ ابھی آپ یونٹ میں جائیں اور ان کا موومنٹ آرڈر اشوع کریں۔ یہ یہاں سے پشاور جائیں گے اور وہاں سے اپنا سامان لے کر اپنی نئی یونٹ کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ ان کو دس دن کا جائننگ ٹائم بھی دینا ہے۔

بہت اچھا سر۔

اچھا اب آپ لوگ جائیں۔

احمد صاحب اگر آپ کو اس معاملے میں کوئی تکلیف ہو تو مجھے ڈائریکٹ فون کر کے آپ مطلع کریں۔

بہت اچھا سر۔

اور پھر ہم تینوں سی۔ ایس۔ او (C.S.O) کے دفتر سے اپنی یونٹ میں آگئے۔ میں نے میجر افضل سے کہا کہ آپ میرا موومنٹ آرڈر اشوع کروائیں۔ میں حنا کے ساتھ اس

کے ہوٹل میں جاکر اس کے بلوں کی کلیرنس کرواتا ہوں۔

ٹھیک ہے صاحب اب آپ اپنا کام کریں۔ آپ کو سب کا غذات گھنٹے ڈیڑھ کے بعد مل جائیں گے۔ آپ پھر جب جانا چاہیں۔ یونٹ سے گاڑی لے جائیں۔

ٹھیک ہے سر۔

٭ ٭ ٭

میں اور حنا دونوں دفتر سے نکل کر اپنے ٹینٹ کی طرف چل پڑے۔ جہاں جہاں سے بھی ہم گذرتے پوری یونٹ کے لوگ حنا کو دیکھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے اور پھر دیکھتے ہی رہ جاتے۔ حنا ان کی بھوکی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے سر جھکائے میرے ساتھ چل رہی تھی۔ جب ہم اپنے ٹینٹ کے پاس پہنچے تو اللہ یار خان نے بڑھ کر ہم دونوں کو خوش آمدید کہا۔

لو بھئی اللہ یار خان آج اس سوہنی کُڑی کو میں تمہارے پاس ہی لے آیا ہوں۔

اللہ یار خان شرما گیا۔

حنا مسکرا پڑی۔

میں اور حنا دونوں ٹینٹ کے اندر چلے گئے۔ حنا فوجی کیمپ کی لائف کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئی۔ وہ میرے بستر پر جا کر لیٹ گئی اور میں کپڑے تبدیل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ میں لباس تبدیل کر کے باہر دھوپ میں آبیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کسی کام سے خیمے کے اندر گیا تو میں نے دیکھا کہ حنا سو چکی تھی۔ میں سوچنے لگا اس فوجی خیمے اور میرے اس کھردرے بستر کے بھی آج بھاگ جاگ اُٹھے ہیں۔ دنیا کی حسین ترین عورت نے اپنے قدموں سے ان کی قسمت جگا دی ہے۔ ورنہ یہ فوجی بوٹوں کی بھاری ٹاپوں کے علاوہ آج تک کچھ نہیں سُن پائے۔

سر کھانے کا کیا ہوگا۔ اللہ یار خان نے مجھ سے پوچھا۔

حضور ہم دونوں آج آپ کے مہمان ہیں۔ آپ ہمارے کھانے کا مناسب انتظام فرمائیں۔

سر یہ بیگم صاحبہ بھی یہی کھانا کھائیں گی۔
اللہ یار خاں ہم روز کھاتے ہیں۔ اس سوہنی کڑی نے اگر ایک دن کھا لیا تو کیا ہوگا۔
سر میرا مطلب ہے یہ فوجی کھانا بیگم صاحب کیسے کھائیں گی۔
کھالیں گی اللہ یار خاں۔ تم فکر مت کرو۔
اللہ یار خاں پھر ہمارے لیے میس (MESS) سے کھانا لینے چلا گیا۔ وہ کھانا لے آیا۔ سبزی، دال، سلاد وغیرہ تھی۔ گوشت کا ناغہ تھا۔ اس لیے فرائی کی ہوئی مچھلی بھی تھی۔ اللہ یار نے اپنے طور پر کنٹین سے دہی، اچار اور فروٹ کا بھی انتظام کر لیا۔ میں نے اب اس کو کہا کہ تم اب سوہنی کڑی کو بھی جگا دو۔ وہ ہنس پڑا اور شرما کر باہر نکل گیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔ "سر آپ ہی ان کو جگائیں۔"
میں نے حنا کو جگایا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور پھر میرے ساتھ کھانے کے لیے آ بیٹھی۔ اس نے بہت شوق سے یہ کھانا کھایا۔ کھانے کی تعریف کرتے ہوئے وہ کہنے لگی۔
احمد صاحب" یوں تو سب چیزیں بہت اچھی پکی ہوئی ہیں۔ لیکن اس ماش کی دال کا تو کوئی جواب نہیں۔"
میں نے حنا کو بتایا کہ میرے ایک کرم فرما اور بزرگ دوست حضرت احسان دانش جو ہندو پاک کے ایک بڑے نامور شاعر ہیں جب کبھی میرے پاس تشریف لاتے ہیں تو مرغ کھانے کی بجائے لنگر کی دال کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں فوجی لنگر جیسی دال کہیں بھی نہیں پکتی۔
ہم ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ حوالدار میجر میرا مووومنٹ آرڈر اور دوسرے کاغذات لے کر آ گیا۔ میں نے سب کاغذات چیک کیے اور حوالدار میجر کو رسید دے دی۔ وہ چلا گیا تو میں نے اللہ یار کو کہا کہ ایک ٹانگہ لے آؤ۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ٹانگہ لے آیا۔ اور پھر میں اور حنا اس میں سوار ہو کر حنا کے ہوٹل میں چلے گئے۔ حنا نے اپنا کمرہ کھولا۔

مَیں نے مینجر کو بلایا اور اسے کہا کہ وہ بل لادے اور حنا کو سامان سنبھالنے کے لیے کہا۔ تھوڑی سی دیر میں ہوٹل کا ایک ملازم بل لے آیا۔ مَیں نے بل کی ادائیگی کی اور پھر حنا کا اٹیچی کیس اُٹھا کر ہم نیچے آ گئے۔ تانگے پر بیٹھ کر کیمپ واپس آ گئے۔

میری یونٹ اور کورسگنل کے میرے دوستوں کو جب میرے اچانک پوسٹنگ کی اطلاع ملی تو وہ جوق در جوق مجھے ملنے اور سوہنی کُڑی کو دیکھنے کے لیے آتے رہے۔ شام کا کھانا کھا کر مَیں نے سرکاری گاڑی منگوائی۔ اللہ یار خان نے سامان اُٹھا کر گاڑی میں رکھا۔ مَیں نے سب یونٹ کے لوگوں سے ملاقات کی اور پھر گاڑی ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہمارے کیمپ سے ریلوے سٹیشن کوئی زیادہ دور نہ تھا گاڑی دس منٹ میں وہاں پہنچ گئی۔ اللہ یار نے سامان اُتار اور ویٹنگ روم میں جا کر رکھ دیا۔ مَیں نے حنا کو کہا۔

حضور آج آپ کو میرے ساتھ سیکنڈ کلاس میں سفر کرنا ہو گا۔

وہ کیوں۔ حنا نے حیرت و استعجاب کے عالم میں پوچھا۔

حضور اس لیے کہ مجھے سرکاری طور پر سیکنڈ کلاس کا ریلوے وارنٹ ملتا ہے۔

جی نہیں۔ وہاں رش ہو گا۔ ہم اطمینان سے باتیں بھی نہ کر سکیں گے۔

اللہ یار کو حنا نے اپنے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ کے لیے اور میرے ٹکٹ کے اضافی پیسے دے کر دو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ منگوا لیے۔

کوئی آدھ گھنٹہ بعد ٹرین آ گئی۔ فرسٹ کلاس کا ایک چھوٹا ڈبہ ہمیں خالی مل گیا۔ ہم نے خوشی خوشی اس میں ڈیرا لگا لیا۔ مَیں نے متعلقہ اہلکار کو کہہ کر ریشاور کے لیے دو سیٹیں بک کروا لیں۔ اور اس طرح ہم بڑے آرام اور سکون سے بستر بچھا کر اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ ہم باتیں کرتے رہے۔ ٹرین چل پڑی۔ ریل کے شور سے ایک دوسرے کی باتیں سمجھنے میں دقت محسوس ہونے لگی۔ حنا اُٹھ کر میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس کی ایک عجیب عادت تھی کہ جب بھی وہ میرے پاس صوفہ پر یا پلنگ پر آ کر بیٹھتی تو فوراً لیٹ جاتی اور سر میری گود میں رکھ کر پیاری پیاری میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگ

جاتی۔ شاید یہ اس کا کوئی کمپلیکس (COMPLEX) تھا اور اس طرح اسے نفسیاتی طور پر ایک گونہ راحت میسّر آئی تھی۔

٭٭٭

ہم دوسرے دن صبح پشاور جا پہنچے۔ میں نے مصلحتاً اُسے کہا کہ وہ ڈین ہوٹل میں قیام کرے آج ہی کا دن ہے کل تو چلے جائیں گے۔ ہم نے حنا کو ڈین ہوٹل میں ڈراپ کیا اور میں اور اللہ یار خان خیبر بزنس چلے آئے۔ سامان اُتارا اور میں نے اللہ یار کو ہدایت کی کہ اپنا جو سامان سٹورز میں ہے وہ نکلوالے۔ اور میں دوستوں سے ملنے شہر چلا گیا۔

اللہ یار خان کو میں نے بتا دیا تھا کہ میں رات کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اور واپسی رات کو دس بجے کے بعد ہی ہوگی۔ میں پشاور صدر اور شہر میں دوستوں سے فرداً فرداً ملا۔ سب کو میرے جانے کا بڑا افسوس تھا۔ میں نو بجے رات حنا کے پاس ڈین ہوٹل آ گیا۔ کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر بیٹھا۔ گپ شپ کی اور پھر میں نے حنا سے اجازت طلب کی۔

ابھی تو نو بجے ہیں۔ بیٹھو تھوڑی دیر باتیں کریں گے۔

حنا محبت کرنے والوں کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ہم جب بھی ملتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے اب پہلی بار ملے ہیں۔

احمد تم یہ بتاؤ کہ میں اب کراچی واپس چلی جاؤں یا تمہارے ساتھ لاہور آؤں اور وہاں کچھ دن رہوں۔

حضور میں نے یہ دس دن کا جائنگ ٹائم اسی لیے لیا ہے کہ لاہور دس دن اکٹھے گذاریں گے۔

پھر اس کے بعد مجھے کیا کرنا چاہیے۔

حنا! میں سمجھتا ہوں کہ اب تم مکمل طور پر صحت یاب ہو گئی ہو۔ میرے خیال میں اب تم اس قابل ہو کہ گھر گرہستی کی ذمہ داریاں اچھی طرح سے نبھا سکو۔ یہ ہوٹلوں کی کیا زندگی ہے چار دن ایک جگہ۔ دس دن دوسری جگہ۔ آخر یہ قارون کا خزانہ بھی تو ایک دن ختم ہو ہی جائے گا۔ اُس وقت تمہاری عمر ڈھل چکی ہوگی۔ پھر کوئی بھنورا نہیں منڈلائے گا۔ اس وقت

تمہیں یہ جوانی ضائع کرنے کا بے حد افسوس ہوگا۔
لیکن احمد میں تمہارے بغیر اور کسی مرد کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی۔
حنا اس گتھی کو تو اب سلجھانا ہی ہوگا۔ ایک معمولی سی بات کو زمانے والوں نے کتنا بڑا اسکینڈل بنا دیا تھا۔ میرے خیال میں اب اس کا حل یہی ہے کہ آپ کسی موزوں سے آدمی کے ساتھ شادی کر لیں اور امن و سکون کی زندگی گذاریں۔

احمد اگرچہ پاکستان میں خوبصورت مردوں کی کوئی کمی نہیں لیکن جو سچ پوچھو تو مجھے ان سے نفرت ہو گئی ہے۔ یہ باہر سے کتنے اُجلے ہوتے ہیں لیکن ان کے اندر ہوس اور شہوت کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے۔ ان کے اندر کا انسان کتنا کمینہ اور بزدل ہے مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔

لیکن حنا میں بھی تو پاکستانی ہوں۔

ٹھیک ہے۔ اگرچہ تم کوئی بہت زیادہ خوبصورت آدمی نہیں ہو۔ لیکن تمہارے اندر کا آدمی بہت خوبصورت اور پوجا کرنے کے قابل ہے۔ میں اس کی مورتی کو اپنے من مندر میں کب کی بسا چکی ہوں۔ اب کیسے اس مورتی کو نکال کر باہر پھینک دوں۔

حنا پھر تم نے بات الف۔ ب سے شروع کر دی ہے۔ یہ اتنا عرصہ جو میں اپنا رونا تمہارے سامنے روتا رہا ہوں۔ وہ بے مقصد تو نہیں تھا۔ میرے حالات اگر مجھے اجازت دیتے تو میں تم سے کب کی شادی کر چکا ہوتا۔

تو پھر تمہارا کیا خیال ہے میں بمبئی واپس چلی جاؤں اور وہاں اپنی پسند کے کسی آدمی سے شادی کر لوں۔

میرا خیال ہے۔ یہی عقلمندی کی بات ہوگی۔

احمد اب اگر میں بمبئی واپس چلی بھی جاؤں تو میری ماں مجھے منہ نہیں لگائے گی۔

حنا تمہاری ماں کی ممتا اسے ایسا ہرگز نہ کرنے دے گی۔ تھوڑی دیر کے لیے ناراضگی کا اظہار ضرور کرے گی لیکن پھر ٹھیک ہو جائے گی۔

نہیں احمد تم میری ماں کو نہیں جانتے۔ وہ بڑی ضدی عورت ہے۔ جب بھی کسی بات

پرا لڑ جائے تو پیچھے نہیں ہٹتی۔

تم پیار کر کے تو دیکھو اگر حالات، سازگار نہ ہوئے تو واپس چلی آنا۔

ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں تھوڑی سی رقم تمہارے بنک اکاؤنٹ میں منتقل کر دوں تاکہ تم جب بھی چاہو اپنے لیے ایک اچھا سا مکان بنوا سکو اور اپنے لیے ایک نئی شیورلیٹ گاڑی خرید سکو۔

نہیں جنا۔ بہت شکریہ آپ کا۔ مجھے اپنے موجودہ سٹیٹس (STATUS) کے مطابق ہی رہنا چاہیے۔ اگر میں نے فوج کی یہ نوکری کرنی ہے تو جس طرح پھٹیچر سی حالت میں اب رہ رہا ہوں۔ پھر بھی مجھے اسی حالت میں رہنا ہوگا۔ میں پاکستان آرمی کا ایک جے سی او ہو کر ایک اچھا کار رکھ لیتا ہوں تو سب آفیسرز میرے اسی طرح خلاف ہو جائیں گے جس طرح آپ کے ساتھ پاک، صاف اور پاکیزہ تعلقات رکھتے ہوئے وہ میری جان کے دشمن ہو گئے تھے۔

اگر میں انڈیا جا کر امی کی اجازت سے اپنے کسی پسند کے آدمی سے شادی کر لوں تو پاکستان آپ سے ملنے آیا کروں گی۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔

مجھے تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن تمہارے شوہر نامدار ضرور رقابت محسوس کریں گے۔

میں شادی سے پہلے اپنے اور تمہارے تعلقات کے متعلق اُسے وضاحت سے بتا دوں گی۔

نہیں جنا تم نہیں جانتی۔ مرد اس بات کو کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نہیں چاہتا کہ اتنے جان جوکھوں کے بعد تم شادی کرو اور پھر اس میں کسی خرابی کا احتمال ہو۔

* * *

اچانک میں نے گھڑی دیکھی تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ میں نے اجازت طلب کی تو جنا کہنے لگی، اب تو کوئی ٹیکسی بھی نہ مل سکے گی۔ میں نے اُسے بتلایا میرا میس (MESS) قریب ہی ہے۔ دس منٹ میں پہنچ جاؤں گا۔ مجھے وہ ہوٹل کے

مین گیٹ تک چھوڑنے آئی۔

دوسرے دن صبح ہمیں لاہور روانہ ہونا تھا۔ میں اپنے کمرے میں آیا تو اللہ یار خان بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ وہ اُٹھ کر اپنی بیرک میں چلا گیا اور میں جلد ہی سو گیا۔ دوسرے دن منہ اندھیرے اللہ یار خان نے مجھے آ کر جگایا۔ میں نہایا دھویا۔ نماز پڑھی۔ ناشتہ کیا اور پھر اللہ یار نے میرا سامان نیچے اُتارا۔ فوجی گاڑی آ گئی اور ہم اس میں سامان رکھ کر حنا کو لینے ڈین ہوٹل گئے۔ حنا پہلے سے تیار بیٹھی تھی۔ وہ بھی ہمارے ساتھ آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہاں سے ریلوے سٹیشن کوئی دو سو گز کے فاصلے پر ہو گا۔ ہم جلد ہی ریلوے سٹیشن پہنچ گئے۔ سامان لے کر اندر گئے۔ ہم سیٹیں تلاش کرنے میں مصروف ہو گئے حنا ہم دونوں کے ریلوے وارنٹ لے کر کاؤنٹر پر گئی۔ اس نے میرا سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر مزید رقم ادا کر کے اسے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ میں تبدیل کروایا اور اپنے لیے ایک فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لیا۔

ہمیں سیٹیں آسانی سے مل گئیں۔ ہم دن بھر خوش گپیاں کرتے شام کو لاہور پہنچ گئے سٹیشن سے باہر آ کر چھاؤنی کے لیے ایک ٹیکسی لی۔ اللہ یار خان کو مع سامان کے میس میں چھوڑا۔ اور میں اپنا مختصر سا سامان لے کر حنا کے ساتھ اسی ٹیکسی میں فلیٹیز آ گیا۔ وہاں ایک ڈبل روم ہم نے حاصل کیا۔ ہم دونوں پورے دس دن ہوٹل سے باہر نہ نکلے۔ مجھے ہر وقت حنا پیاری پیاری باتیں سناتی رہتی اور میں حسن و رنگ کی اس دنیا میں دنیا و مافیہا سے بے خبر کھویا رہا۔ ہم نے کسی انارکلی کی سیر نہ کی۔ کوئی جہانگیر کا مقبرہ نہ دیکھا ہم دونوں تصور ہی تصور میں اپنا تاج محل سجائے دس دن ایک نئی دنیا میں رہے۔ آخر جدائی کی گھڑی آ پہنچی۔ آج میری چھٹی کا آخری دن تھا۔ آج شام کو مجھے اپنی نئی یونٹ میں رپورٹ کرنا تھی۔ میں نے حنا کو کہا کہ آپ شام کی فلائٹ سے کراچی واپس چلی جائیں۔ اگر آپ یہاں فلیٹیز میں ہی رہیں تو میں کیسے آرام و سکون سے اپنے میس (MESS) میں رہ سکوں گا۔

چنانچہ یہی طے ہوا کہ میں حنا کو کراچی کی فلائٹ میں بٹھا کر میس چلا جاؤں گا۔ حنا نے جاتے وقت یہ کہہ کر کہ نئی جگہ ہے تمہارے اخراجات زیادہ ہوں گے تھوڑے سے پیسے رکھ لو۔

میں انکار کرتا رہا لیکن اس نے میری جیب میں زبردستی ایک لفافہ ڈال دیا۔ وہ لفافہ میں نے اس کے چلے جانے کے بعد کھول کر دیکھا تو اُس میں ایک ہزار روپے کے کرنسی نوٹ تھے۔

وہ شمعِ فروزاں اپنے پیچھے اندھیروں کو چھوڑ کر سب اُجالے اپنے ساتھ لے گئی۔ میں شکستہ دلی کے عالم میں بوجھل قدموں سے چلتا ہوا ائیرپورٹ سے باہر آ گیا۔ ٹیکسی میں بیٹھا اور اپنے میس (MESS) میں آ گیا۔

اللہ یار خان نے صوبیدار میجر صاحب سے مل کر میرے لیے ایک کمرہ لے رکھا تھا۔ اس کی صفائی کر کے اس میں میرا سب سامان قرینے سے لگا دیا تھا۔ بستر ایک پلنگ پر لگا ہوا تھا۔ ضرورت کا فرنیچر بھی اس نے حاصل کر لیا تھا۔ کمرے سے ملحق ایک الگ باتھ روم بھی تھا۔ اللہ یار خان کے رہنے کے لیے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی بھی ساتھ تھی۔

میں نے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے اور کھانا کھانے کے لیے میس میں چلا گیا۔ سب ممبران بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ نہ جانے اُن کو کیسے میرے اور حنا کے تعلقات کے بارے میں علم ہو چکا تھا۔ چونکہ ان میں سے ایک دو جو میرے دیرینہ واقف کار تھے، مجھ سے پوچھا۔

حضور کراچی والے مہمان چلے گئے ہیں۔

جی ہاں چلے گئے ہیں۔

* * *

میں کھانا کھا کر تھوڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا۔ کچھ دوست تاش کھیل رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی کھیلنے کی دعوت دی۔ لیکن میں نے معذرت کر لی۔ میں خبریں سُن کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا اور جلد ہی سو گیا۔

دوسرے دن میں نے آفس میں رپورٹ کی۔ کمانڈنگ آفیسر سے انٹرویو ہوا۔ انہوں نے محنت سے کام کرنے کی تلقین کی۔ اور پھر میں انٹرویو کے بعد اپنے دفتر میں آ کر بیٹھ گیا۔

میں ایک عرصے تک اس دفتر میں جھک مارتا رہا۔ کسی نے میرے دل کی ویرانی کا

سبب نہ پوچھا۔ ہر کوئی اپنی بنائی ہوئی خیالی دنیا میں گم۔ کسی کو اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ دوسروں کے غم میں شریک ہوتا۔

⁂

حنا نے کراچی پہنچ کر خط لکھا۔ خیریت سے پہنچ گئی ہوں۔ ہوٹل سے باہر آنے کو جی نہیں چاہتا۔ تم پاس تھے تو فی الواقعہ یہ تاج محل جنت سے کم نہ تھا۔ اب تم نہیں ہو تو اس میں کوئی کشش نہیں۔ سورج طلوع ہوتا ہے ڈوب جاتا ہے۔ لیکن میں سمجھتی کہ میں کئی کئی صدیوں سے ہوا میں معلق کھڑی ہوں۔ نہ جینے کا کوئی ڈھنگ نہ مرنے کی کوئی صورت۔ نہ جانے میرا بمبئی جانے کو کیوں جی نہیں چاہتا۔ حالانکہ میری ماں وہاں رہتی ہے۔ اس ملک سے میرا ایک خاص رشتہ ہے۔ پاکستان میں مستقل نہ رہنے کی خواہش کے باوجود پھر اس ملک کو چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ یہاں رہ کر امید کا یہ رشتہ تو قائم رہتا ہے کہ میں جب چاہوں گی تم سے ملنے کے لیے لاہور جا سکتی ہوں یا تم مجھ سے ملنے کے لیے کراچی آ سکتے ہو۔ اگر بمبئی واپس چلی گئی تو یہ رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ تم کہتے ہو میں کسی اچھے سے آدمی کے ساتھ ایک مستقل بندھن میں بندھ جاؤں۔ اگر ایسا کر لوں اور پھر جب کبھی میں تم سے ملنا چاہوں تو میری راہ میں اگر وہ حائل ہو گیا تو پھر کیا ہوگا۔ کیا ہوگا!

کیا یہ ہماری محبت کی موت نہ ہوگی۔ یہ نازک رشتہ یونہی ایک ہلکی سی جنبش سے ٹوٹ جائے گا۔ اور میں پھر عقل کے صحراؤں میں یونہی بے مقصد بھٹکتی رہوں گی۔ ابھی تو یہ سب کچھ میرے بس میں ہے۔ میں کراچی میں۔ تم لاہور میں۔ میں جب چاہوں تم سے ملنے فوراً لاہور آ سکتی ہوں۔ اور اگر کل پرسوں یا کسی دن بمبئی واپس چلی گئی تو پھر کیا ہوگا۔ یونہی بے نام سی موت مر جاؤں گی۔

⁂

میں حنا کا خط پڑھ کر اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ مجھے ارد گرد کا کوئی ہوش نہ تھا۔ کرنل صاحب میرے قریب کھڑے میری سراسیمگی اور افسردگی کا بغور مطالعہ

کر رہے تھے۔ مجھے قطعاً ان کی موجودگی کا کوئی احساس نہ ہوا۔ جب انہوں نے مجھے مخاطب کیا تو میں یکایک چونک پڑا اور پھر سے فوجی ماحول میں واپس آ گیا۔
کیوں صاحب۔ خیریت تو ہے۔ آپ خط پڑھتے پڑھتے بہت افسردہ ہو گئے ہیں۔
خیریت ہے سر۔ ایک دوست کا خط ہے۔ بے چارے نے مجھ سے بچھڑنے کا رونا رویا ہے۔
آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ مجھے چیف سگنل آفیسر صاحب نے خاص طور یہ ہدایت دی ہے کہ میں آپ کی لُک آفٹر (LOOK AFTER) اچھی طرح سے کروں۔
شکریہ سر۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اور پھر کرنل صاحب واپس اپنے دفتر میں چلے گئے۔
میں نے حنا کو کراچی کے پتہ پر خط لکھا اور اپنی افسردگی اور دکھوں بھری زندگی کا رونا رویا۔ محبت میں آخر اور کیا ہوتا ہے۔ آہیں۔ آنسو اور ہجر و فراق میں مسلسل جلنا۔ کرب و اذیت کا یہ عالم ہی محبت کرنے والوں کا مقدر ہوتا ہے۔ میں نے کافی دنوں تک حنا کے خط کا انتظار کیا۔ لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ اسے لاہور سے گئے ہوئے آج پورے پندرہ دن ہو گئے تھے۔ میں سوچتا نہ جانے اس نے خط کیوں نہیں لکھا۔ اگر وہ بمبئی چلی گئی ہو تو بھی جاتے وقت اسے چاہیئے تھا کہ مجھے ایک مختصر سا خط اطلاع کے لیے لکھ دیتی۔ میں کئی دنوں تک انتظار کی سولی پر مصلوب رہا۔
آخر کئی دنوں کے انتظار کے بعد بمبئی سے اس کا خط آیا:
"میں تمہیں خط لکھنے کے دو دن بعد بمبئی آ گئی تھی۔ یہاں آ کر حالات بہت ہی خراب دیکھے۔ میں ایئرپورٹ سے سیدھی امی کے پاس ان کے فلیٹ پر گئی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیخ پا ہو گئیں۔
کیوں آئی ہو میرے گھر۔ فوراً نکل جاؤ یہاں سے۔ اس گھر میں تمہارے لیے

اب کوئی جگہ نہیں ہے ۔

امی ناراض نہ ہوں ۔ میں معافی مانگنے آئی ہوں ۔

میں تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گی ۔ تم نے ایک بھوکے کنگلے کو مجھ پر ترجیح دی ہے ۔

نہیں امی یہ بات نہیں ہے ۔ احمد میرا محسن ہے ۔ اس کے مجھ پر بڑے احسان ہیں ۔

وہ کنگلا تم کو ایک وقت کی روٹی بھی نہیں دے سکتا ۔

امی اس نے مجھے وہ کچھ دیا ہے جو بادشاہوں کے خزانوں میں بھی نہیں ۔ مجھے ایک نئی زندگی دی ہے ۔ زندگی بسر کرنے کے لیے مجھے ایک ولولہ اور حوصلہ بخشا ہے جس کے سہارے مجھ میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا ہوئی ۔ ورنہ اس سے ملنے سے پہلے میں ایک پتھر کی سل تھی ۔ ایک بے جان لاشہ تھی جسے جینے کی کوئی آرزو نہ تھی ۔

احمد صاحب ! میں حیران ہوں ۔ میں نے اپنی ماں میں بڑی عجیب وغریب تبدیلیاں دیکھی ہیں ۔ میں نے اپنی گذشتہ زندگی میں اُن کو کبھی ایسا نہ پایا جیسی کہ وہ اب ہیں ۔

جب ہم لکھنؤ سے بمبئی آئی تھیں تو اس وقت میری امی بھرپور جوان تھیں ۔ بلا کی حسین تھیں ۔ لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مرد سے ان کے کسی قسم کے قابلِ اعتراض تعلقات رہے ہوں ۔ وہ اخلاقی لحاظ سے نہایت صاف ستھری زندگی گزار رہی تھیں ۔ لیکن اب میں ان کو دیکھ کر حیران رہ گئی ہوں ۔ وہ سرِ شام ہی سے گھر سے چلی جاتی ہیں ۔ اور کبھی جلدی اور کبھی دیر سے لوٹتی ہیں ۔ وہ ہر روز اپنے ساتھ کسی نہ کسی اجنبی مرد کو لے کر آتی ہیں ۔ عام طور پر وہ بالکل ہی کم تر درجے کے مردوں کو ساتھ لاتی ہیں ۔ وہ گندے ، میلے کچیلے ہوتے ہیں لیکن ہوتے جوان ہیں ۔ وہ ان کو فلیٹ میں لا کر نہلاتی دھلاتی ہے ۔ ایک مردانہ کپڑوں کا اچھا سا جوڑا جو انہوں نے اسی غرض کے لیے رکھا ہوا ہے پہناتی ہیں ۔ اور پھر اس کے جسم پر کلون کا سپرے کرتی ہیں ۔ احمد صاحب ! اب میرے رہنے کی وہاں کوئی جگہ نہیں ہے ۔ امی نے مجھے ایک چھوٹے سے سٹور میں بستر

لگادیا ہے۔ خود بڑے کمرے میں اُس اجنبی مرد کے ساتھ رات بسر کر لی تی ہے۔ میں ایک مستقل عذاب میں گرفتار ہوں۔ میں سوچتی ہوں میں نے بمبئی واپس آکر بڑی غلطی کی ہے۔

میری ماں اُس ایک رات کے مہمان کو دوسری صبح ناشتہ کرواکر پانچ روپے دے کر فارغ کر دیتی ہے اور جاتے وقت اُس مرد سے وہ کپڑے اُتروا لیتی ہے۔ جو شام کو اُس کو پہنائے گئے تھے۔ میری ماں تمام دن سوئی رہتی ہے۔ شام کو اُٹھتی ہے۔ نہاتی دھوتی ہے اور پھر کھانا کھا کر رات کی تیاری میں لگ جاتی ہے۔ احمد! اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میری ماں ایک لا علاج قسم کی ذہنی مریضہ ہے۔ جو جنس کی بھٹی میں سُلگ رہی ہے۔ اس کی یہ جنسی بے راہروی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور اب مجھے اپنی ماں سے خوف آنے لگا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ میں ان حالات سے کیسے سمجھوتا کر سکتی ہوں۔ اس سے الگ ہو کر کہیں اور رہنا بھی میرے لیے بڑا مشکل ہے۔ بمبئی انتہائی غیر محفوظ جگہ ہے یہاں پیرس کی طرح بے شمار جنسی جرائم کا ارتکاب ہر روز ہوتا ہے۔ میں سوچتی ہوں مہاراجے کے پاس واپس چلی جاؤں۔ پھر سوچتی ہوں اگر انھوں نے مجھے دھتکار دیا تو پھر کیا ہو گا۔ کچھ سمجھ نہیں آتی کہ کیا کروں۔ کبھی خیال آتا ہے۔ واپس کراچی چلی جاؤں یا اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں لاہور بھی شفٹ ہو سکتی ہوں۔ میرا کوئی ڈاک کا پتہ نہیں۔ میں آپ کو کیا لکھوں۔ بہر حال کچھ روز کے بعد میں آپ کو پھر خط لکھ کر نئے حالات سے آگاہ کروں گی۔

***

میں اُس کا یہ طویل خط پڑھ کر لرز اُٹھا۔ بے چاری ایک بے آسرا خاتون دن بدن کس طرح ناگفتہ بہ حالات کا شکار ہوتی چلی جا رہی ہے۔ وہ امن اور سکون کی تلاش میں برصغیر میں ماری ماری پھر رہی ہے۔ لیکن کہیں بے چاری کو عزت سے سر چھپانے کی جگہ میسر نہیں آتی۔ میں سوچنا لگا اس کی تباہی میں میرا بھی تو ہاتھ ہے۔ یا تو میں شروع ہی سے اس سے تعلقات نہ بڑھاتا۔ اور جب تعلقات کسی نہ کسی وجہ سے استوار ہو گئے تھے تو اس بے چاری کو نامساعد حالات و واقعات کے منجدھار میں بے یار و مددگار

چھوڑ دینا کہاں کی شرافت ہے۔

میں فوجی روٹین کے مطابق دفتر میں قلم گھسیٹتا رہا اور کرنیلوں کے کال بیلوں (CALL BELLS) پر ناچتا رہا۔ میں کندھوں پر ایک بے جان لاشہ اُٹھائے پھر رہا تھا۔ ایک ایسا لاشہ جو خاکی یونیفارم زیب تن کرتا۔ فوجیوں کے ایک جمِ غفیر میں رہتا لیکن ذہنی طور پر ان سے اجنبی اور بے گانہ تھا۔ مجھے کسی آدمی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ میں سمجھ رہا تھا میرا دماغ ماؤف ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے اس انبوہِ کثیر میں رہتے ہوئے بھی کسی کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوتا۔ لیکن اپنے آپ کو بمبئی کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں پاتا جس میں ایک ہی رہائشی کمرہ ہے۔ جس میں شام ہی سے حنا کی ماں ایک اجنبی مرد کے ساتھ مقفل ہو جاتی ہے۔ اور حنا سٹور کے ایک چھوٹے سے 6×10 فٹ کے کمرے میں اذیت ناک زندگی گذار رہی ہے۔ میں سوچتا ہوں انسان کی زندگی میں بھی عجیب عجیب مرحلے آتے ہیں۔ ایک کروڑپتی خاتون جو کبھی ایک والیٔ ریاست کی مہارانی تھی۔ اس سے الگ ہوئی تو تاج محل، فلیٹیز، فلیش مین اور رِٹز ہوٹل میں قیام پذیر ہوتی ہے۔ اور آج اسے اپنے ہی گھر عزت سے ایک چارپائی بچھانے کی جگہ میسّر نہیں۔ میں جتنا اس معاملے کے متعلق سوچتا یہ اتنا ہی اُلجھتا جاتا۔ پھر کبھی میں سوچتا یہ سب میرا ہی کیا دھرا ہے۔ اسے محض میری وجہ سے ان اذیت ناک لمحوں سے دوچار ہونا پڑا ہے

دفتر کا وقت ختم ہو گیا اور میں اٹھ کر میس (MESS) میں آ گیا۔ کھانا کھانے کو جی نہ کرتا تھا۔ یونیفارم اُتارا اور بستر پر لیٹ گیا۔ دل میں طرح طرح کے خیال آتے اب مجھے حنا کو اپنا لینا چاہیئے۔ جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ آنکھ لگ گئی اور میں سو گیا۔ اللہ یار خان میس سے شام کی چائے لے کر آیا تو اس نے مجھے جگایا۔

سر طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی۔

ٹھیک ہوں اللہ یار خان۔

سر میس (MESS) سرجنٹس کہہ رہے ہیں کہ آپ نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔

ہاں بھوک، نہیں تھی۔

میں نے چائے پی اور پھر پوئینٹ گارڈن میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں وہاں گھنٹوں اکیلا بیٹھا مستقبل کے منصوبے بنایا کرتا تھا۔ رات گئے تک وہاں بیٹھا رہتا اور پائپ پیتا رہتا۔ اکثر اللہ یار خان آ کر مجھ کو واپس میس میں لے آتا۔ ایک دن وہ کہنے لگا۔

سر میں نہ کہتا تھا کہ یہ سوہنی کڑی آپ کو برباد کر کے چھوڑے گی۔

اللہ یار سوہنی کڑی تو بے چاری اپنی ماں کے پاس واپس بمبئی چلی گئی ہے۔ اس کا کیا قصور ہے۔

سر ابھی بھی آپ نہیں سمجھتے۔ یہ سب کیا دھرا اس سوہنی کڑی ہی کا ہے۔ کیا اس سے ملنے سے پہلے بھی آپ کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ پہلے تو آپ بڑے ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔ راگ رنگ کے رسیا تھے۔ میلوں ٹھیلوں کے شوقین تھے۔

اللہ یار خان ان چیزوں کا تو اب بھی مجھے بڑا شوق ہے۔ تم زیادہ میری فکر نہ کیا کرو۔

—

دوسرے دن حنا کا ایک بڑا ہی طویل اور مفصل خط ملا۔ پڑھتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں کسی اجنبی سرزمین پر بیٹھا کوئی عجیب و غریب ناول پڑھ رہا ہوں۔ حنا نے اپنی ماں کے متعلق چونکا دینے والی باتیں لکھیں۔ ہم دونوں کو اب یقین ہو گیا تھا کہ ساحرہ (حنا کی ماں) مَوجُو کی قید میں رہتے ہوئے ایک مستقل ذہنی مریضہ بن گئی ہے۔ جس کے باعث اس کی پرورژن (PERVERSION) یعنی جنسی بے راہروی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اب اس کا اپنی حالت میں آنا تقریباً ناممکن ہے۔ وہ دن بدن ایک حسرتناک انجام کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جس کا منطقی نتیجہ مکمل تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حنا نے اپنے نئے خط میں لکھا تھا۔

احمد صاحب! میں نے آپ کو اپنے گذشتہ خط میں بتایا تھا کہ کس طرح میری ماں کے شب و روز جنسی بے راہروی کی نذر ہو رہے ہیں۔ میں نے آپ کو یہ بھی بتایا

تھا کہ وہ ہر روز ایک نئے آدمی کو رات بسر کرنے کے لیے لے کر آتی ہے ۔ ایک دن
مجھ پر قیامت ہی ٹوٹ پڑی ۔ ہوا یوں کہ ایک دن شام کو میری ماں تسکین کی تلاش
میں گھر سے باہر گئی ہوئی تھی ۔ ایک جوان سا آدمی جس کی عمر کوئی اٹھائیس تیس سال
کے لگ بھگ ہوگی ۔ جھومتا جھامتا ہمارے فلیٹ پر چڑھ آیا ۔ وہ نشہ میں دُھت
تھا ۔ غالباً اُس نے تاڑی پی ہوئی تھی ۔ دُور ہی سے اس کے منہ سے تاڑی کی بُو
آ رہی تھی ۔ وہ آتے ہی کرسی پر بیٹھ گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا ۔

او چھوکری وہ میم صاب کدھر ہے ۔

کون میم صاب ۔

وہ خوبصورت میم صاب جو یہاں رہتی ہے ۔ جس کا یہ فلیٹ ہے ۔

اس خوبصورت میم صاب سے تمہارا کیا تعلق ہے ۔

وہ ہمارا بی بی ہے ۔

تمہارا بی بی کیسے ہے اس کا شوہر تو لکھنؤ میں رہتا ہے ۔

وہ اُدھر ہوگا ۔ اِدھر ہم ہے ۔

تم مفت میں اس کے شوہر بن بیٹھے ہو ۔ اس کا تم سے کیا تعلق ۔

تعلق یہ ہے کہ جب تم اِدھر نہیں تھا تو وہ ایک دن ہم کو ساتھ ہم اُسے لے آیا ۔
ہمارے ساتھ اس نے شادی کر لی ۔ اور ہمیں بہت دن تک اپنے پاس رکھا ۔ پھر
تب اس کا دل بھر گیا تو ہم سے لڑ پڑی ۔ اور ہم کو گھر سے نکال دیا ۔ پر آج ہم پھیسلہ
(فیصلہ) کرنے آیا ہے کہ وہ ہمارا بی بی ہے یا نہیں ۔ اگر بی بی ہے تو روز روز یہ نیا نیا آدمی
کو اپنی موج کے لیے ادھر نہ لایا کرے ۔ ورنہ میں اسے اور اس کے ایک رات کے
مہمانوں کو دونوں کو قتل کر دوں گا ۔ یہ کہتے ہوئے اُس نے ڈب سے ایک چھرا نکال کر
ہوا میں لہرانا شروع کر دیا ۔ میرا ڈر کے مارے خون ہی خشک ہو گیا ۔ میں نے اس سے پوچھا

دادا آپ کا نام کیا ہے ۔

سب لوگ ہم کو خوشیا بولتا ہے ۔ ہمارا نام سننے سے بڑے بڑے دادا لوگوں

کی جان نکل جاتی ہے۔

اچھا خوشیا صاحب آپ مجھے یہ بتائیے کہ اس خوب صورت عورت نے کیا آپ کے ساتھ شادی کر لی ہے۔

جی ہاں کر لی ہے۔ ہم کو جھوٹ بولنے کا کیا ضرورت (ضرورت) ہے۔

کیا نکاح پڑھا گیا ہے۔

نکاح وکاح کوئی نہیں پڑھا گیا۔

تو پھر کیسے یہ شادی ہوئی۔ مسلمانوں میں نکاح کے بغیر تو شادی نہیں ہو سکتی۔

بات یہ ہے کہ ایک رات جب میم صاحب ہمارے ساتھ سوئی ہوئی تھی تو کہنے لگی خوشی محمد میں تمہارے ساتھ شادی کرتی ہوں۔ میں نے کہا میم صاحب کر لو اور پھر اس نے اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میرے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں ڈال کر کہا۔ خوشی محمد تم کو یہ شادی قبول ہے۔ میں نے کہا قبول ہے۔ تو وہ کہنے لگی۔ خوشی محمد تین دفعہ یہی بات کہو تب ہماری شادی پکی ہوگی۔ میں نے تین مرتبہ کہا۔ یہ شادی قبول ہے۔ قبول ہے۔ قبول ہے۔ اور پھر وہ مجھ سے لپٹ کر مجھے کاٹنے لگی ―― چھوٹی میم صاحب یہ تمہاری ماں سالی کوئی عام عورت نہیں ہے۔ نہ جانے اس میں بلا کی گرمی کہاں سے آ گئی ہے۔ یہ مجھے رات بھر نوچتی۔ کاٹتی اور جھنجھوڑتی رہی۔ آخر میں تنگ آ کر اپنی کھولی میں واپس چلا گیا۔

تو پھر آج کیوں آئے ہو۔

آج رات کو میں انہی کے پاس رہوں گا اور صبح اس سے دارو (شراب) کے لیے کچھ رقم لے کر جاوے گا۔ کل سے پی نہیں ہے۔ سالا سارا بدن ایک دن ایک دم سے ٹوٹ رہا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد میری ماں ایک جوان سال لڑکے جس کی عمر بمشکل بیس بائیس سال ہوگی کو ساتھ لے کر آ گئی۔ اس نے خوشیا کو دیکھا تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ اپنے نئے مہمان کو اندر کمرے میں بٹھا کر باہر آئی تو خوشی محمد سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

واوا! آج کیسے آئے ہو۔

میم صاب میں آج آپ کے پاس ٹھہروں گا۔

لیکن میں نے تمہیں بلایا تو نہیں۔

ہم خود آگیا ہے۔ تمہارا بلانے کا کیا جرورت ہے۔

لیکن خوشی محمد آج تو ہمارے ساتھ ایک مہمان آیا ہے۔ آج تو یہ ٹھہرے گا۔ تم کل آجانا۔

یہ سالا کیسے ٹھہرے گا۔ تم ہمارا بی بی ہے یا اس کا۔

زبان سنبھال کر بات کرو۔ اپنی حیثیت کو مت بھولو۔ تم لوگوں کی حیثیت گندی نالی کے ایک کیڑے سے زیادہ نہیں ہے۔

خوشیا نے اُٹھ کر میری ماں کے منہ پر ایک زور کا تھپڑ مارا۔ اندر جو رات گذارنے کے لیے مہمان بیٹھا تھا اس نے باہر آکر مداخلت کرنا چاہی۔ خوشیا نے اپنی ڈب سے ایک چھُرا نکال لیا۔ وہ نوجوان ٹھٹھک کر رہ گیا۔ خوشیا نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر بھی ایک زوردار تھپڑ مارا۔ بے چارا اکبر، ور سالڑکا تھا۔ لڑکھڑاتے ہوئے ہٹ کر پیچھے کھڑا ہو گیا

میری ماں نے زار و قطار روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر خوشیا سے کہا۔

خوشی محمد خدا کے لیے اتنا ظلم نہ کرو۔ اگر دارو کے لیے پیسے چاہئیں تو یہ لو دس روپے

خوشیا نے وہ دس روپے لے کر جیب میں رکھ لیے اور کہنے لگا۔

میم صاب تم ہمارا اُنگالی رہوی ہے۔ ہم آج رات کو تمہارے پاس جرور ٹھہرے گا۔

خدا کے لیے خوشی محمد ایسا نہ کرو۔ میرا یہ مہمان کیا کہے گا۔ اس کے سامنے تم مجھ رسوا کر رہے ہو۔ میں اسے بڑی منت سماجت کے بعد لائی ہوں۔ یہ آتے ہوئے ڈرتا تھا۔

تم کل آجانا۔ میں کل تمہارا انتظار کروں گی۔ کسی اور کو ساتھ نہیں لاؤں گی۔

نہیں ہم آج جرور ٹھہرے گا۔ تم ہمارا بی بی ہے۔ سالا ہم کو کیسے انکار کر سکتا ہے۔

دیکھو خوشی محمد اگر تم نے ٹھہرنا ہی ہے تو تم میری اس بیٹی کے پاس ٹھہر جاؤ۔ یہ جوان بھی ہے اور مجھ سے زیادہ خوبصورت بھی۔

کیوں چھوکری ٹھیک ہے۔ اس نے میری طرف پلٹ کر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

خوشی محمد اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے اپنے ساتھ سٹور میں لے جاؤ۔ میری ماں نے اس سے کہا۔

خوشیا میرا بازو پکڑنے لگا تو میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اس نے غصے میں آکر مجھے ایک زور کا تھپڑ مارا۔ اور پھر چھُرا نکال کر مجھ پر حملہ کرنے لگا۔ میرا تو خون ہی خشک ہو گیا۔ میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

خوشی محمد مجھے معاف کردو۔ دارو کے لیے جتنے پیسے چاہئیں مجھ سے لے جاؤ۔ لیکن وہ درندہ صفت انسان مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا سٹور کے اندر لے گیا۔ اور زبردستی دروازہ بند کر دیا۔ میں نے لاکھ اس کی منت سماجت کی۔ لیکن اس وقت اس کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔ اس نے پھر چھُرا نکال کر مجھے ڈرا دھمکا کر بے بس کر دیا اور میں نے بے بس ہو کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

احمد سچ پوچھتے ہو تو میں جتنا اس دلدل سے بچتی تھی۔ اتنی ہی آسانی سے خوشیا مجھے اس دلدل میں گھسیٹ کر لے آیا۔ مہاراج کی قربت کو میں ایک مستقل اذیت سمجھتی تھی۔ خوشیا کا یہ جرم مجھے زیادہ بُرا نہ لگا۔ اگرچہ اس نے اپنے شوریدہ جذبات کو سکون کی گود میں سلایا۔ لیکن مجھے ایک انجانے جذبے سے روشناس کرایا۔ میں سمجھتی ہوں ہمارے اس معاشرے میں ہر مرد سعید ہے۔ خوشیا ہے۔ جو عورت سے سب کچھ لے لینے کے بعد اُسے آنسوؤں اور آہوں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ خوشیا جانے لگا تو اس نے مجھ سے دس روپے دارو کے لیے طلب کیے جو میں نے اسے دے دیے۔

احمد صاحب۔ اتنا بڑا واقعہ ہمارے گھر میں وقوع پذیر ہوا۔ لیکن میری ماں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ جب سابق اپنے نئے مہمان کے ساتھ اپنے کمرے میں مقفل ہو کر اس کی خاطر مدارت میں مشغول تھی۔ اب خوشیا کو یہ عادت پڑ گئی ہے۔ وہ میری ماں کی عدم موجودگی میں آتا ہے اور چھُرا نکال کر مجھے ڈرا دھمکا کر اپنی مطلب براری کرتا ہے اور جاتے وقت مجھ سے دس روپے دارو کے لیے بھی لے جاتا ہے۔ اب وہ کھُلے بندوں یہ کہتا ہے کہ چھوٹی

میم صاب اب مَیں تمہاری ماں کی بجائے تمہارے ساتھ ہی شادی کروں گا۔

احمد صاحب! آپ ہی بتائیں یہ کوئی جھینے کی باتیں ہیں۔ جب پہلے ہم یہاں رہتے تھے تو سب فلیٹوں والے ہماری بڑی عزت کرتے تھے۔ اب ہم سے بات کرنے کا بھی کوئی روادار نہیں۔ ان فلیٹوں کی خواتین بھی ہم سے بات کرتے ہوئے کتراتی ہیں لیکن میری ماں ہے کہ اُسے اپنے کام سے کام ہے۔ اُسے کسی کی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ وہ لوگوں کی باتوں سے بے نیاز ہوکر اپنے مہمانوں کی خاطر مدارت میں لگی رہتی ہے۔ میری تھوڑی سی پرابلم ہے۔ مجھے اپنی بی۔ ایس۔ سی (B.Sc) کی سند لینا ہے وہ لے لوں تو فوراً ہی کراچی آجاؤں گی۔ ورنہ یہاں رہتے ہوئے مجھے بھی خوشیا جیسے لوگوں کی میزبانی کے فرائض مجبوراً سرانجام دینے پڑیں گے۔ کالج میں اپنی سند لینے کے لیے جا نہیں سکی۔ دو ایک دن میں جاکر لے آؤں گی۔ اور پھر اس کے بعد بمبئی میں میرا اور کوئی کام نہیں ہے۔ اگلے ہفتے آپ کو پھر خط لکھوں گی۔

خدا حافظ

تمہاری حنا

پ۔ ث

مَیں حنا کا یہ طویل اور مفصل خط پڑھ کر لرز اُٹھا اور بے حد پریشان ہوا سوچتا یہ سب کچھ میری جھوٹی تسلیوں کی وجہ ہو رہا ہے۔ اگر مَیں حنا کو جھوٹا سہارا نہ دیتا تو وہ اس وقت سے لے کر اب تک کسی کنارے لگ چکی ہوتی۔ محض میری قربت کی وجہ سے وہ ایک خوفناک منجدھار میں پھنس کر زندہ رہنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔

بمبئی تو مجرموں کی ایک جنت ہے۔ یہ دادا لوگ دن دھاڑے بڑے سے بڑا جرم کرتے ہیں۔ اور انسانوں کے اس وسیع و عریض سمندر میں ڈبکی لگا کر دور جا نکلتے ہیں ایسی کمزور اور بے آسرا خواتین کو یہاں قدم قدم پر خوشی محمد اور موجو جیسے لوگوں سے پالا پڑتا ہے۔ وہ اپنی عفت کو کیسے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ حنا اگر پاکستان آجائے تو یہاں بھی اسے

اس طرح کے حالات و واقعات کے پیش آجانے کا امکان ہے۔ یہاں بھی موشیا جیسے لوگوں کی کمی نہیں۔ وہ اس کو بلیک میل کرنا شروع کردیں گے۔ لیکن اس سلسلے میں میں اب اس کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔ اگر میں نے اُسے شروع ہی میں اپنا لیا ہوتا تو اب بے چاری ایسے حالات سے دوچار نہ ہوتی۔ جس آبگینے کو وہ بچا بچا کر لوگوں کی بُری نظروں سے چھُپتی پھر رہی تھی وہ ماں کی موجودگی بلکہ اس کے ایما پر اسے ایک ہوس پرست نے چکنا چور کردیا۔

***

میں پہلے بھی چُپ چاپ دنیا کی گہما گہمی سے دور الگ تھلگ زندگی کے دن بسر کررہا تھا۔ لیکن حنا کے اس خط نے تو مجھ سے زندگی کی رہی سہی آس بھی چھین لی۔ میرے ہونٹوں سے ہنسی غائب ہوچکی تھی۔ اللہ یار خان مجھے اکثر نصیحتیں کرتا رہتا۔ وہ بس ایک ہی بات کہتا۔ "صاب گذری ہوئی باتوں کو دل میں جگہ نہ دیں۔" "جو ہونا تھا ہوگیا۔" اب وہ سوہنی گڑی واپس نہیں آئے گی۔ اور میں تھا کہ سوہنی گڑی کی واپسی کے انتظار میں زندگی کے دن کاٹ رہا تھا۔

حنا کا نیا خط آیا۔ اب اس کا جو بھی خط آتا۔ ہر خط میں نئے سے نئے حالات و واقعات کے لرزہ خیز انکشافات ہوتے۔ اب اس نے لکھا تھا۔

اب میں موشی محمد جیسے لوگوں سے بچنے کی خاطر تاج محل میں شفٹ ہوگئی ہوں اب اپنے آپ کو کوستی ہوں کہ پہلے ایسا کیوں نہ کیا۔ سب کچھ لُٹ جانے کے بعد شفٹ ہونے سے کیا فائدہ۔ بہرحال یہاں ذہنی سکون ضرور ہے۔ آپ کو خط پوسٹ کرنے کے بعد دوسرے دن میری ماں کے مقدمہ کی تاریخ تھی۔ میں بھی امی کے ساتھ کورٹس (COURTS) میں گئی۔ وہ سب لوگ جو موجو کے ساتھ گرفتار ہوئے تھے۔ بشمول موجو سب کے سب ضمانت پر رہا ہوچکے تھے۔ اس دن وہ ایک جیتھے کی صورت میں پیشی کے لیے کورٹس میں آئے تھے۔ میں اور میری ماں جب کورٹس میں پہنچیں تو موجو ہمیں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں کھڑا دکھائی دیا۔ میری ماں نے موجو

کو بلایا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ اس کے ساتھی اُسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتے رہ گئے۔ میں ماں کی اس غیر متوقع حرکت پہ انگشت بدنداں رہ گئی۔ وہ قریب آیا تو اُس نے سلام کیا۔ میری ماں نے اسکو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

مالک یہ جو کچھ ہوا ہے مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔

ساحرہ یہ سب کچھ تو تم ہی نے کروایا ہے۔ تمہاری اس چھوکری نے لاٹ صاحب بہادر سے مل کر یہ سب کچھ کروایا ہے۔ ہم اس لونڈیا سے بھی نپٹ لیں گے۔

نہیں مالک اس میں میری بیٹی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر میری طرف سے یا اس کی طرف سے کوئی کارروائی ہوتی تو یہ کارروائی ہم پہلے بھی کر سکتی تھیں۔ میری بیٹی بے قصور ہے۔

مجھے تو یہی بتایا گیا ہے کہ یہ سب کچھ اس لونڈیا کا کیا دھرا ہے۔

نہیں مالک آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے۔

ساحرہ بتاؤ اب مجھے کیوں بلایا ہے۔

مالک تم میری بات مانو تو کہوں۔

ماننے والی بات ہوئی تو ضرور مانوں گا۔

مالک! جب مقدمہ چلے گا تو میں آپ کے خلاف شہادت نہیں دوں گی۔ بلکہ یہ کہوں گی کہ معظم علی (موجو) میرا شرعی خاوند ہے۔ میں نے آج سے چار سال پہلے اس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک ہم دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اکٹھے رہتے چلے آ رہے ہیں۔" میں مالک تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" ماں کی یہ باتیں سن کر حیرت سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

موجو کی خوشی کے مارے باچھیں کھل اٹھیں۔ ساحرہ مقدمہ ختم ہو گیا اور اگر میں بری ہو گیا تو تمہیں اپنے ساتھ بستی میں لے جاؤں گا۔

نہیں مالک اب آپ میرے ساتھ رہیں۔

ساحرہ ادھر رہ کر کھائیں گے کیا۔ مجھے دارو کیسے ملے گا۔
مالک سب بندوبست ہو جائے گا۔ میرے پاس پیسے بہت ہیں۔ آپ کسی چیز کی کمی محسوس نہ کریں گے۔
رہنے کی جگہ ہے یہاں۔
مالک میرے پاس ایک فلیٹ ہے۔ میں آپ کی ہر طرح سے خدمت کروں گی۔ میرے پاس روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں۔
دارو کا کیا بنے گا۔
دارو آپ کو بلا ناغہ باقاعدگی سے ملتا رہے گا۔
اچھا ساحرہ پیشی کے بعد تمہارے ساتھ چلا چلوں گا۔ میں ذرا ساتھ والے لونڈوں کو بتا دوں کہ وہ میری لنگائیوں (ربیویوں) کو بتا دیں کہ میں کچھ دن ساحر کے پاس اس کے گھر میں رہوں گا۔
اور پھر موجو اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ موجو کالے سیاہ رنگ کا موٹا بھدا سا آدمی تھا۔ کوئی ساٹھ کے پیٹے میں ہو گا۔ بڑے بڑے سفید اُلجھے ہوئے بال سفید خشخاشی ڈاڑھی۔ بڑی بڑی مونچھیں۔ کسرتی جسم۔ پان کے مسلسل استعمال سے دانت مستقل طور پر میلے۔ کرتا اور لنگی پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں پہلوانوں کی طرح کا ایک تعویذ۔ پان کی بہتی ہوئی ریک کی ایک پتلی سی لکیر سفید ڈاڑھی کو بھی آلودہ کر رہی تھی۔ بڑے ہی اکھڑ مزاج کا آدمی تھا۔
وہ چلا گیا تو میں نے امی سے کہا۔
یہ امی آپ نے کیا کیا۔ چار سال کا طویل عرصہ آپ نے کتنی مشکل سے اس شخص کی قید میں گذارا۔ رات بھر یہ بھوکے کتے کی طرح تمہاری ہڈیوں کو بھنبھوڑتا رہتا تھا اور دن میں آپ کو ایک زنجیر سے ایک لکڑی کے ساتھ باندھ دیتا تھا۔ اب خدا خدا آپ کے وہ زخم جو زنجیروں کی وجہ سے بن گئے تھے۔ ٹھیک ہوئے ہیں۔ میں نے کتنی مشکل سے مہاراج سے کہہ کر گورنر صاحب کو ٹیلی فون کروایا اور انہوں نے پولیس کی ایک

کثیر نفری بھیج کر مچھیروں کی سب بستیوں کو گھیرے میں لے کر آپ کو برآمد کیا اور اب پھر آپ کو موجو کی محبت ستانے لگ گئی ہے۔

میری ماں نے ایک لمبا ٹھنڈا سانس بھرا اور مجھ سے بڑے ہی ملتجیانہ انداز میں کہنے لگی۔

حنا میری بیٹی میں موجو کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔

کیوں ممی موجو میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ نہ اس کی شکل نہ صورت اجڈ۔ گنوار۔ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ اونچی سوسائٹی کی ایک معزز خاتون آپ میں یہ یکایک کیوں تبدیلی آگئی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

حنا بات یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ جب میں نے نواب سعادت علی خان سے طلاق لی تو اس وقت میں بالکل جوان تھی۔ مجھے چاہیئے تھا کہ میں کسی پڑھے لکھے شریف اور قبول صورت آدمی سے دوبارہ شادی کر لیتی۔ میں نے جھوٹی انا کی خاطر ایسا نہ کیا۔ طلاق لینے کے بعد بھی میں اپنے آپ کو اونچے سٹیٹس (STATUS) کی عورت ہی سمجھتی رہی۔ میں عام آدمیوں کو تو خاطر ہی میں نہ لاتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ اگر دوبارہ شادی کروں تو کسی والیٔ ریاست سے یا بہت بڑے افسر سے۔ لیکن کسی ایسے آدمی کی طرف سے مجھے شادی کی کوئی پروپوزل (PROPOSAL) نہ ملی اور میں اپنی جھوٹی انا کی تسکین کی خاطر اپنی سطح سے نیچے نہ آنا چاہتی تھی۔ حنا سچ پوچھتی ہو تو میں نے عین شباب کے عالم میں اپنی جنسی خواہشات کا مستقل گلا گھونٹا اور وہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ میں نے اپنے اندر کی دنیا میں کسی کو جھانک کر دیکھنے کی اجازت نہ دی اور کوئی میرے غم کا مداوا نہ کر سکا۔ حنا بات یہ ہے کہ یہ جنسی آگ اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ اگر اسے ذرا سی بے احتیاطی سے بھی ڈیل (DEAL) کیا جائے تو یہ آدمی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور اس کی شخصیت کتنی بھی قدآور کیوں نہ ہو، ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ تم نے دیکھا موجو نے مجھے اس آگ سے روشناس کرایا۔ اس میں احتیاط اور اعتدال کا عنصر نہ تھا اس لیے میری شخصیت اس

آگ میں جل کر راکھ ہوگئی۔ اور اس راکھ کے ڈھیر سے ایک پرورٹ (PERVERT) عورت نے جنم لیا۔ جو جنسی سکون کی تلاش میں باؤلے کتے کی طرح روز چوراہوں پر کھڑی اپنی جنسی تسکین کی خاطر ہر روز نیا شکار تلاش کرتی ہے۔ وہ اپنے اسی سفلی جذبے کی تسکین کی خاطر اپنی جوان بیٹی کی عفت کو بھی داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کرتی۔ دراصل میں نے ساری عمر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ میں ایک نارمل انسان کی طرح معاشرے میں لوگوں سے بی ہیو (BEHAVE) نہ کر سکی۔ معاشرہ ایسے فرد کو دھکیل کر گناہوں کی دلدل میں پھینک دیتا ہے۔ پھر اس کے لیے قعر مذلت سے باہر آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ میری بیٹی مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جس آبگینے کو تو سجا کر یہاں لائی رکھتی۔ اسے ایک جنسی زدہ ماں نے اپنی تسکین کی خاطر خوشیا کے حوالے کر دیا۔ حنا تم ہی بتاؤ کوئی ماں ایسی حرکت کر سکتی ہے۔ جس ماں نے ایسا کیا ہے کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ ایک نارمل عورت ہے یقیناً تم نفی میں جواب دوگی۔ میں خود تسلیم کرتی ہوں کہ میں جنسی مریضہ ہوں۔ آپ مجھ سے نفرت نہ کریں۔ میں سمجھتی ہوں ایسے لوگ ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں۔ نفسیاتی طور پر ان کا علاج ہونا چاہیے۔ حنا میں تمہیں بتاؤں یہ مَوجُو بھی نارمل آدمی نہیں ہے۔ یہ بھی جنسی مریض ہے۔ اس نے اپنے گھر میں چار عورتوں کو ڈال رکھا ہے۔ سب کی سب خوب صورت اور جوان۔ ایک سے ایک بڑھ کر۔ میں سمجھتی ہوں یہ اذیت پسند ہے۔ یہ دوسروں کو اذیت پہنچا کر ایک گونہ سکون حاصل کرتا ہے۔ سب کو زور زور سے کاٹتا ہے مارتا ہے۔ اپنے جنسی رویے میں شدت روا رکھتا ہے۔ اوروں کا تو مجھے پتہ نہیں۔ پر حنا سچ پوچھتی ہو تو اس کی یہ عادت مجھے بڑی اچھی لگتی ہے۔ میں اسی ایک بات سے اس کی گرویدہ ہوگئی ہوں۔ تم کہو گی بڑھا ہے، بدصورت ہے، گنوار ہے۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر درست۔ لیکن جب وہ مجھے بھنبھوڑتا ہے۔ مجھ پر سختی کرتا ہے تو مجھے ایک گونہ راحت نصیب ہوتی ہے۔ کوئی نارمل مرد ایسا سلوک روا نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی میری طرح کی پرورٹ (PERVERT) عورت ایسے نارمل مردوں سے نباہ کر سکتی ہے۔ تم نے کراچی کے قیام کے دوران میں نوٹ نہیں کیا۔ آپ کا دوست احمد ایک نارمل

مرد ہے۔ میں عام زندگی میں بھی اس کے رویّوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ یہ رویّے اعلیٰ انسانی اقدار کے حامل تھے۔ میں نے اپنے جنس انسٹنکٹ (INSTINCT) کو ایک عرصے تک دباکر رکھا۔ اس نے اندر ہی اندر مجھے بھسم کرڈالا۔ اور میں ایک مستقل جنسی مریضہ بن گئی اور اب میرے یہ شب و روز تمہارے سامنے ہیں۔

٭ — ٭

جس عدالت کے باہر ہم بنچوں پر بیٹھی تھیں۔ اس عدالت کے دروازے پر آکر ایک آدمی نے بڑے مخصوص لہجے اور اونچی آواز سے پکارا

سٹیٹ بنام معظم علی عرف موجو وغیرہ۔

موجو اور اس کے ساتھی عدالت کے اندر چلے گئے۔ میری ماں باہر بینچ پر ہی بیٹھی رہی۔ وہ جلد ہی عدالت سے باہر نکل آئے۔ ایک پولیس والے نے میری ماں کو آکر بتایا۔

بی بی اگلے مہینے کی دس تاریخ ہوگئی ہے۔ آپ کو بھی اس تاریخ پر آنا ہوگا۔ کیونکہ آپ کی شہادت ہوگی۔ آپ یہاں دستخط کردیں۔

تاریخ ہو جانے کے بعد ہم کچہریوں سے باہر آگئے۔ موجو میاں بھی امی کے ساتھ تھے باہر آکر ہم نے ٹیکسی لی۔ پہلے انہوں نے مجھے تاج محل میں اُتارا اور پھر وہ دونوں ممی کے فلیٹ پر چلے گئے۔ میں تین چار دن کے بعد امی کو ملنے کے لیے ان کے فلیٹ پر چلی جاتی۔ موجو وہاں ہی رہ رہا تھا۔ وہ ہر وقت دارو پی کر اپنی ہی ترنگ میں رہتا۔ مجھے اس سے بڑا ڈر لگتا تھا لیکن اس نے کبھی مجھ سے کوئی سروکار نہ رکھا نہ ہی کبھی مجھ سے کوئی بات ہی کی۔

موجو کے گھر میں آجانے سے میں نے امی میں ایک واضح تبدیلی دیکھی۔ اس سے پہلے وہ سرِشام ہی اپنے کسی نئے مہمان کی تلاش میں چلی جاتی تھی۔ اب وہ باہر نہ جاتی تھی بلکہ موجو کی خاطر مدارت میں لگی رہتی تھی۔ موجو یہاں رہ کر بہت خوش تھا۔ موجو کے یہاں مستقل رہائش پذیر ہونے سے میری امی بھی خوش تھی۔ اب ان میں ایک تبدیلی یہ

آگئی تھی کہ انہوں نے اپنا عام لباس ترک کر کے مچھیرنوں والا لباس زیب تن کر لیا تھا۔ وہ اس لباس میں بہت بھلی لگتیں۔

* * *

مَوجُو کو میری امی کے پاس آئے ہوئے کوئی بیس دن ہو گئے تھے۔ شام کا وقت تھا میں وہاں موجود تھی۔ مَوجُو اندر کمرے میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک خوشیا آگیا۔ وہ آتے ہی میری امی پر بگڑنے لگا۔

سالی تم بڑی جالم عورت ہے۔ خوشیا نے میری ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

کیوں خوشی محمد کیا ہو گیا ہے۔ میری ماں نے بڑی نرمی سے بات کرتے ہوئے کہا۔

ہم جب بھی آتا ہے اِدہر ایک کالا موٹا سا آدمی دیکھتا ہے اور ہم پھر ایک دم واپس چلا جاتا ہے۔ کون ہے یہ سالا لوگ

تم کیوں پوچھتے ہو۔ میری ماں نے ذرا سختی سے کہا۔

تم ہمارا اُنگائی (بیوی) ہے اس لیے پوچھتا ہوں۔

جھوٹ موٹ کا بکواس مت بکو میں تمہاری بیوی نہیں ہوں۔

سالا تم نے خود ہمارے ہاتھ کی چھوٹی اُنگلی میں اپنی انگلی ڈال کر کہا تھا کہ یہ پکا وعدہ ہے کہ ہم تمہارا بی بی ہے۔

بکواس مت کرو۔ میری ماں نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

خوشیا نے آگے بڑھ کر میری ماں کو بالوں سے پکڑ کر زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ اور پھر چلاتے ہوئے کہنے لگ گیا۔" سالا تم ہمارا بی بی ہے۔ دوسرے آدمی اپنے پاس مت آنے دیا کرو۔"

میری ماں روتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔

مَوجُو اندر سو یا تھا۔ شور سن کر باہر نکل آیا۔ اُس نے امی کی یہ حالت دیکھی تو خوشیا سے کہنے لگا۔

سالا تم کون ہو۔

ہم اس بی بی کا مالک ہے ۔ یہ ہمارا لگائی ہے ۔ تم سالا اتنے دن سے اِدھر کیوں پڑا ہوا ہے ۔ اور اس نے آگے بڑھ کر مَوجُو کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور پھر کہنے لگا ۔ سالا دوسروں کے گھر میں آکر داداگیری کرتا ہے ۔

مَوجُو نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ۔ فوراً ہی اپنی ڈَب سے ایک چھُرا نکال کر خوشیا پر ایک بھرپور وار کیا ۔ خوشیا لڑکھڑا ہوا گر پڑا ۔ صحن کا سب فرش خون سے لت پت ہوگیا ۔ خوشیا کی انتڑیاں باہر نکل آئیں اور اس نے چلانا شروع کر دیا ۔ ملحقہ فلیٹوں میں رہنے والوں نے جھانک کر جو یہ منظر دیکھا تو وہ بھی "خون ہوگیا ۔ خون ہوگیا" کے آوازے لگانے لگ گئے ۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کافی آدمی اکٹھے ہو گئے اور پھر تھوڑی ہی دیر میں پولیس بھی آگئی ۔ پولیس کے آنے تک خوشیا تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا ۔

پولیس نے آکر وقوعہ کی جملہ تفصیل معلوم کی ۔ میری ماں نے یہ ابتدائی رپورٹ پولیس والوں کے پاس لکھوائی ۔

یہ فلیٹ میرا ہے ۔ میں اس میں کرایہ دار کے طور پر رہتی ہوں ۔ میرے ساتھ میرا خاوند معظم علی عرف مَوجُو بھی رہتا ہے ۔ مقتول خوشیا اس علاقے کا نامور دادا تھا ۔ وہ اکثر مجھے ڈرا دھمکا کر شراب اور تاڑی پینے کے لیے مجھ سے پیسے لے جاتا تھا ۔ وہ ایک دو دفعہ زبردستی میری عزت بھی لوٹ چکا ہے ۔ آج بھی حسبِ عادت وہ آیا تو واہی تباہی بکتا رہا ۔ مجھے کہنے لگا ۔ تم ہمارا بی بی ہے ۔ اس دوسرے آدمی کو کیوں تم نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے ۔ اس وقت میرا میاں کمرے کے اندر سویا ہوا تھا ۔ خوشیا نے مجھے بالوں سے پکڑ کر کھینچ کر زور سے زمین پر پٹخ دیا ۔ میرے شور مچانے پر میرا میاں کمرے سے باہر آگیا ۔ ان دونوں کی آپس میں تکرار ہوئی ۔ خوشیا نے میرے خاوند کے منہ پر ایک زور کا تھپڑ مارا اور پھر اپنی ڈب سے چھُرا نکال کر میرے خاوند پر حملہ آور ہوا ۔ اللہ نے میرے میاں کو بچایا ۔ خوشیا کا وار خطا گیا اور پھر میرے میاں نے اس سے چھُرا چھین کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا ۔ خوشیا زمین پر گر پڑا اور اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں اور پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہوگیا ۔

پولیس مُوجُو کو گرفتار کر کے لے گئی۔ میری ماں کا بیان بھی قلم بند ہونا تھا۔ اس لیے پولیس نے ان کو بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ میں ڈر کے مارے ان کے ساتھ نہ گئی بلکہ سیدھی تاج محل آ گئی۔ اور اب آپ کو فوراً ہی یہ خط لکھ رہی ہوں۔ اب احمد تم ہی بتاؤ ان حالات میں میں بمبئی میں کیسے رہ سکتی ہوں۔ اب میں بڑی سنجیدگی سے یہ سوچ رہی کہ بمبئی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دوں اور مستقل طور پر شفٹ کر کے پاکستان آ جاؤں۔ لیکن احمد سچ پوچھتے ہو تو مجھے پاکستان کے لوگوں سے بھی بہت ڈر لگتا ہے۔ بمبئی کا تو ایک خاص چھوٹا طبقہ ہے جو داداگیری کرتا ہے لیکن پاکستان کا بڑے سے بڑا آدمی بھی نوجوان اور خوبصورت عورت کے معاملے میں خوشیا ہے، مُوجُو ہے لیکن کچھ بھی ہو جائے میں اب بمبئی میں نہیں رہ سکتی۔ انشاء اللہ جلد ہی بمبئی چھوڑ دوں گی، مسئلہ ایک دو دن تک حل جائے گی۔ پھر میں فارغ ہوں۔ جب کراچی پہنچ گئی تو آپ کو مطلع کر دوں گی۔ آپ چار پانچ دن کے لیے ضرور آئیں۔ آپ سے بڑی ضروری باتیں کرنی ہیں۔

اب حنا کا جو بھی خط آتا میں اسے پڑھ کر ذہنی طور پر ڈسٹرب (DISTURB) ہو جاتا۔ میں کولہو کے بیل کی طرح اپنے معمولات میں جتا ہوا تھا۔ لوگوں سے باتیں بھی کرتا تھا، ہنستا بھی تھا۔ لیکن اندر سے بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ میں سوچتا میں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے، میری وجہ سے ایک خاتون مستقبل کے گھور اندھیروں میں بکھرتی جا رہی ہے۔ جس دن میں تھوڑا سا اداس و پریشان ہوتا تو اللہ یار خان ہلکا سا مسکراتا اور مجھ سے کہتا۔

کیوں صاب آج پھر سوہنی کڑی کا کوئی خط آیا ہے۔

میں ہنس پڑتا اور اللہ یار حقہ کی نے منہ میں لے کر حقہ پینا شروع کر دیتا۔ اللہ یار خان ایک وفادار اور بااعتماد ساتھی تھا۔ اس نے کبھی اس سلسلے میں کسی سے کوئی بات نہیں کی۔

ایک ہفتہ گذر گیا۔ حنا کی طرف سے کوئی خط نہ آیا۔ پوسٹ مین آتا تو میں اسے بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھتا۔ اگر میرا خط نہ ہوتا تو وہ سلام کر کے آگے گذر جاتا۔ آج پوسٹ مین میرے پاس آ کر رک گیا میری دھڑکن تیز گئی۔

صاحب آپ کا منی آرڈر ہے اور پوسٹ مین منی آرڈر فارم نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ دو ہزار روپے کا منی آرڈر تھا۔ کراچی سے حنا نے بھیجا تھا۔

میں نے منی آرڈر وصول کیا۔ پوسٹ مین کو ٹپ دی۔ وہ خوش ہو کر سلام کر کے واپس چلا گیا۔ کوپن پر لکھا تھا۔ میں کل کراچی پہنچی ہوں۔ تم جلد آنے کی کوشش کرو۔ خط کا انتظار مت کرنا۔

حنا

تاج محل

جب بھی میرا منی آرڈر آتا۔ میرا ماتحت عملہ چائے اور سموسوں کی فرمائش ضرور کرتا۔ میں نے ان کے لیے چائے کا آرڈر خود ہی دے دیا اور پھر اس سوچ میں پڑ گیا کہ اگلے ہفتے تمام یونٹ جنگی مشقوں کے لیے باہر کیمپ پر جا رہی ہے۔ اس مرحلے پر چھٹی کی درخواست دینا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میں اس الجھن میں گرفتار تھا کہ کنٹین کا بیرا چائے اور گرم گرم سموسوں کا ایک بھرا ہوا ٹرے لے آیا۔ لڑکوں نے اسے دیکھا تو احمد صاحب زندہ باد کا ایک فلک شگاف نعرہ لگایا۔

ایڈجوٹنٹ یہ شور سن کر میرے دفتر میں آگیا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔

صاحب خیریت تو ہے۔ یہ لڑکے کیوں شور مچا رہے ہیں۔

خیریت ہے سر۔ انہوں نے مجھ سے چائے اور سموسوں کی فرمائش کی تھی۔ چنانچہ وہ کنٹین کا بیرا لے کر آیا ہے تو انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نعرہ لگایا ہے۔

ایڈجوٹنٹ نے بھی ہمارے ساتھ چائے پی۔ میں نے ان پر اپنی مجبوری کا اظہار کیا کہ یونٹ باہر مشقوں کے لیے جا رہی ہے اور مجھے ایک نہایت ہی ضروری نجی کام سے کراچی جانا ہے۔ جس کے لیے مجھے دس دن کی چھٹی درکار ہو گی۔ نہ جانے کرنل صاحب چھٹی دیتے ہیں یا نہیں۔

میں کرنل صاحب سے بات کر کے تھوڑی دیر کے بعد آپ کو بتاؤں گا۔ کب جانا چاہتے ہیں۔

سر اگر چھٹی مل جائے تو میں آج ہی جانا چاہتا ہوں۔

اچھا میں تھوڑی دیر کے بعد آپ کو بتاؤں گا۔

کوئی آدھ گھنٹے کے بعد ایڈجوٹنٹ نے مجھے آ کر بتایا کہ کرنل صاحب نے آپ کی دس دن کی چھٹی منظور کردی ہے۔ اب بے شک آپ آج ہی چلے جائیں۔ حوالدار عطا محمد کو سب کام سمجھا دیں۔ آپ کے پاس جو پینڈنگ (PENDING) کام پڑا ہوا ہے وہ آپ میرے حوالے کر دیں۔

* — *

اگرچہ حنا کا اتنی رقم بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ میں بذریعہ ہوائی جہاز کراچی آؤں۔ لیکن میں میل ٹرین سے کراچی روانہ ہوا۔ دوسرے دن صبح کراچی پہنچا۔ کینٹ ریلوے سٹیشن سے ایک ٹیکسی لی اور سیدھا تاج محل جا پہنچا۔ وہاں استقبالیہ والوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے۔

صاب جی۔ بیگم صاحبہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کبھی ٹیلی فون کرتی ہیں اور کبھی خود آتی ہیں۔ یہاں آکر آپ کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہیں۔ پھر مایوس ہو کر واپس اپنے کمرے میں چلی جاتی ہیں۔

وہاں موجود ملازمین، ایک کہے میں صاحب کو حنا صاحبہ کے کمرے میں چھوڑنے جاؤں گا۔ دوسرا کہے میں جاؤں گا۔ وہ انعام کے لالچ میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ ان کے انچارج نے ایک آدمی کو میرے ساتھ کر دیا کہ تم صاحب کو چھوڑ کر آؤ۔ اس آدمی نے میرا اٹیچی کیس اُٹھا لیا اور میرے آگے آگے چلنے لگا۔ ویسے تو میں تاج محل میں اتنی دفعہ آچکا تھا کہ مجھے تمام ہوٹل کی اچھی طرح سے واقفیت ہو گئی تھی۔

اس آدمی نے ایک کمرے کا دروازہ ناک (KNOCK) کیا۔ اندر سے کسی نے آواز دی۔ پلیز کم۔ان (PLEASE COME IN)

وہ ملازم دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ حنا ایک صوفہ پر بیٹھی انگریزی کا اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اور بے تحاشا چومنا

شروع کر دیا۔ اس نوکر کو حنا نے دس روپے کی ٹپ دی۔ اور وہ سلام کر کے خوشی خوشی واپس چلا گیا۔ حنا نے کہا کہ آپ غسل کر لیں۔ پھر چائے پئیں گے اور باتیں گے۔ اس نے میرا اٹیچی کیس کھول کر میرے لیے کپڑوں کا ایک صاف جوڑا اور گاؤن (GOWN) نکال لیا۔ میں باتھ روم میں تھا کہ حنا نے چائے کے لیے ٹیلی فون کیا۔ میں نہا دھو کر تازہ دم ہو کر حنا کے پاس صوفہ پر بیٹھا تھا کہ ملازم چائے لے آیا۔ حنا نے چائے بنا کر مجھے دی اور خود اپنی پیالی لے کر میرے سامنے قالین پر بیٹھ گئی۔ چائے پیتے ہوئے کہنے لگی۔

احمد صاحب میں آپ سے الگ ہو کر ممبئی گئی تو وہاں مجھ پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی میں آپ کو اپنے حالات سے ساتھ ساتھ آگاہ کرتی رہی ہوں۔ میرا خیال ہے ان باتوں کو اب دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حنا میں دس دن کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔ کل پرسوں اس موضوع پر بیٹھ کر آرام سے باتیں کریں گے۔ یہ خوشی کا موقع ہے۔ ان خوشی کن لمحات میں آپ رنج و محن کی باتیں سنا کر مجھے مغموم نہ کریں۔

بہت اچھا حضور۔ اور وہ اٹھ کر میرے ساتھ صوفہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اور پھر میری گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی اور مجھ سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گئی۔

احمد صاحب لاہور میں تمہارے دن کیسے کٹ رہے ہیں۔

رو رو کے۔

کیوں رونے کی کیا وجہ ہے۔

وجہ مجھ سے پوچھتی ہو۔ تم وہاں ہو نہیں اور میں کسی سے بات نہیں کرتا۔ ہر وقت غمگین اور اداس سی رہتا ہوں۔

اللہ یار خان جو ہے۔

اللہ یار خان مجھ سے کہاں بات کرتا ہے۔ وہ تو سوہنی کُڑی کو ہی یاد کرتا رہتا ہے۔

اچھا وہ بھی مجھے یاد کرتا ہے۔ بڑی مہربانی ہے اس کی۔
حضور آپ کا جادو اس پر بھی چل چکا ہے۔ اُسے بھی اب آپ اپنے عاشقوں کی فہرست میں شامل کر لیں۔
ٹھیک ہی میں اللہ یار خان ہی سے شادی کر لیتی ہوں
بے چارہ بڈھا آدمی ہے تمہارا رگڑا کہاں جھیل سکتا ہے۔
کیوں میں کوئی آدم خور ہوں۔
آدم خور تو نہیں ہو پر اچھے اچھوں کو ناکوں چنے چبوا تی ہو۔
آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے۔
حضور میں تو کبھی آپ کے مقابلے میں لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں اُترا ہی نہیں جو اترے ہیں انہیں چاروں شانے چت کیا ہے آپ نے۔
کس کو چاروں شانے چت کیا ہے۔
کرنل سعید کو اور کس کو۔
ہاں یہ تو فروعی باتیں تھیں جو محض مذاق میں کر رہے تھے۔ آپ نے کرنل سعید کا نام لیا تو میں اس سلسلے میں آپ سے سنجیدگی سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔
حضور والا بصد خوشی۔ یہ خادم لاہور سے آپ کے ارشادات سننے اور ان کی تعمیل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا ہے۔
احمد تم اسے مذاق نہ سمجھو۔
نہیں جناب میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ سیریس (SERIOUS) ہوں۔
احمد بات یہ ہے کہ بمبئی جا کر جن حالات و واقعات سے مجھے دوچار ہونا پڑا۔ ان سب سے میں نے آپ کو تفصیل سے آگاہ کر دیا ہوا ہے۔ اگرچہ خوشیا نے متعدد بار مجھ سے زیادتی کی ہے لیکن اگر سچ پوچھیں تو میں یہ عرض کروں گی کہ اس نے میرے بہت سے سوئے جذبوں کو بھی جگایا ہے۔ ان جذبوں کے زندہ ہونے کے بعد اب میں اپنے آپ میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کرتی ہوں۔ اور اب میں سمجھتی ہوں کہ

ان جذبوں کی شوریدہ سری کو میں اب پہلے کی طرح نظر انداز نہ کر سکوں گی۔ میرے اندر کی جو عورت مر گئی تھی۔ وہ تمہاری قربت سے زندہ ہوئی لیکن آخر دم تک جذبات سے عاری رہی۔ خوشیا کی پیہم زیادتیوں سے وہ جذبات برانگیختہ ہو کر سامنے آ گئے۔ اور اب میں اُن کو دبا نہیں سکتی اور میں سمجھتی ہوں کہ اگر ان کو دبایا گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔ ان سب باتوں کے متعلق میں نے اچھی طرح سے ہر پہلو پر غور کیا ہے۔ اور اب میں چاہتی ہوں کہ آپ کرنل سعید کے ساتھ میری شادی کروا دیں۔

لیکن تم تو کرنل سعید کو بہت بُرا کہتی تھیں اور تمہیں اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ تھی۔

یہ سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن سعید نے اس دن جنرل صاحب کے سامنے جو باتیں کی ہیں تو ان سے میرا دل صاف ہو گیا ہے اور اب میں اپنے دل میں اس کے خلاف کوئی کدورت نہیں رکھتی۔

کرنل سعید نے اگر شادی کر لی ہوئی تو پھر کیا ہو گا۔

یہ تو بعد کی بات ہے۔ پہلے آپ اس سے مل کر اس بات کا پتہ تو کریں کہ کیا اس نے شادی کر لی ہوئی ہے یا نہیں۔

بہت اچھا حضور۔ حکم کی تعمیل ہو گی۔ لیکن سعید کے علاوہ کوئی متبادل بھی سوچیے اپنے اس غلام کے بارے میں ملکہ عالیہ کا کیا خیال ہے۔

احمد میں سنجیدہ ہوں۔ تم اس مسئلے کو مذاق میں ٹال رہے ہو۔

نہیں جانا میں سیریس ہو کر یہ سب باتیں کر رہا ہوں۔ اگر سعید نے شادی کر لی ہوئی تو پھر۔

پھر تم نے مجھے جس آدمی کے ساتھ کہا۔ میں اس کے ساتھ ہی شادی کر لوں گی۔ مناسب آدمی تلاش کرنا تمہارا درد سر ہے۔ میرا نہیں۔

میرا اردلی اللہ یار خان ٹھیک ہے۔

خدا کی قسم اگر تم نے سنجیدگی سے کہا تو میں اس سے بھی شادی کر لوں گی۔

کتنے دن تم یہاں ٹھہرو گی۔

کیوں۔

تاکہ میں کوئی مناسب رشتہ دیکھ سکوں۔

نہیں آپ کی اس بات سے میں اتفاق نہیں کرتی۔ سعید دیکھا بھالا ہوا آدمی ہے میں ایک عرصے سے اسے جانتی ہوں۔ اگر اس سے کسی وجہ سے شادی نہ ہو سکی تو پھر آپ کو کوئی موزوں رشتہ تلاش کرنا پڑے گا۔

اچھا تم ایسا کرو کل میرے ساتھ نیول ہیڈ کوارٹر کے ہسپتال " الشفا " چلنا۔ وہاں کے کمانڈنگ آفیسر سے سعید کا موجودہ ایڈریس معلوم ہو جائے گا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔

ٌ—ٌ

دوسرے دن میں اور حنا نیوی کے ہسپتال " P.N.S. SHAFA " گئے۔ وہاں سے ہمیں پتہ چلا کہ کرنل سعید پنڈی فوجی ہسپتال میں ہے۔ ہم واپس تاج محل آگئے۔ وہاں سے واپس آکر میں نے کرنل سعید کے لیے ایک ذاتی کال بک کروایا۔ اتفاق سے وہ جلدی مل گیا۔ میں نے اس سے کہا۔

سر میرا نام احمد ہے۔ جہلم میں آپ سے اور حنا صاحبہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا ہے۔

احمد صاحب میں آپ کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ میں آپ کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ فرمائیے کیا حکم ہے۔

سر میں تاج محل کراچی سے بول رہا ہوں۔ میرا آج کل پوسٹنگ لاہور میں ہے۔ حنا شفٹ ہو کر بمبئی چلی گئی تھی۔ لیکن اس کا وہاں دل نہیں لگا اور اب وہ مستقل طور پر سیٹل ہونے کے لیے واپس پاکستان آگئی ہے۔ مجھے اس نے اطلاع کی تھی۔ اس لیے میں کل کراچی اس سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔ اب حنا نے میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں آپ کو لوکیٹ (LOCATE) کروں۔ وہ کہتی ہے کہ کہتی ہے کہ میں سعید صاحب اور ان

کی بیگم کو وہ جہاں بھی ہوں ملنے کے لیے جاؤں گی۔

احمد صاحب میں نے تو ابھی تک شادی ہی نہیں کی۔ چار سال ایک طویل عرصہ ہوتا ہے۔ اس عرصے میں حِنا میرے ساتھ رہائش پذیر رہی۔ اس عرصے میں مجھ سے ایک لغزش ہوئی جس کی میں اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ لیکن احمد صاحب حِنا تو میرا نام بھی سننا پسند نہ کرتی تھی۔ اب اتنی مہربان کیوں ہو گئی ہے۔

سر بات یہ ہے کہ جہلم میں اس دن آپ نے جنرل صاحب کے سامنے میرے اور حنا کے متعلق جو سچی باتیں کیں تو اس دن سے حِنا کا دل پسیج گیا ہے۔ اب وہ آپ کی بڑی عزت کرتی ہے۔ اکثر کہتی ہے کہ میں نے سعید صاحب کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ حالانکہ ہم چار سال تک اکٹھے ایک جگہ رہتے رہے ہیں۔

احمد صاحب میرا تو اس کے معاملے میں دل بالکل صاف ہے۔ وہ اب بھی اگر چاہے تو میرے ساتھ رہ سکتی ہے۔

سر آپ کی بڑی مہربانی مجھے ایک کوشش کر لینے دیں۔ اگر وہ میری بات مان جائے تو آپ کے ساتھ وہ باقاعدگی سے شرعی اور قانونی طور پر شادی ہی کرلے۔ تاکہ اس درد بھری کہانی کا انجام بخیر ہو۔

نہیں احمد صاحب شادی تو آپ سے کرنا چاہتی ہے۔ وہ مجھ سے نہیں کرے گی میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔

سر اگر میں نے شادی کرنا ہوتی تو آج سے ایک سال پہلے ہی کرلیتا۔ میرے گھریلو حالات ایسے ہیں کہ میں دوسری شادی نہیں کرسکتا۔ اچھا تو سر میں آپ سے پھر رابطہ قائم کروں گا۔

حِنا صاحبہ منہ میٹھا کرائیے۔ اب انشاءاللہ تعالےٰ آپ کی مراد جلد بر آئے گی۔ تم مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ تب مٹھائی کھلاؤں گی۔

میں نے حنا کو تفصیل سے سب بات بتائی۔ وہ یہ سن کر بے حد خوش ہوئی۔ میں نے بھی اُسے یہی مشورہ دیا کہ اب تم بغیر کسی مزید تاخیر کے فوراً ہی سعید کے ساتھ شادی

کرلو۔

کیا سعید سے تم نے کوئی کمیشن لینا ہے۔اس کی بڑی طرف داری کر رہے ہو۔ حِنا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

حِنا میں سنجیدہ ہوں۔اب اس نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیئے۔

ہم کافی دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے اور ساتھ ساتھ تفصیلات بھی طے کرتے رہے۔آخر ہم دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ حِنا لاہور شفٹ کر آئے۔سعید کو اور مجھے بھی آسانی ہوگی۔اس کے بنک اکاؤنٹس فی الحال کراچی ہی میں رہیں۔اس کی جیولری بھی یہاں ہی لاکرز میں پڑی رہے۔اس دوران میں جس قدر رقم کی ضرورت ہو سکتی ہے اتنی رقم وہ ساتھ لے آئے۔یہ بھی طے ہوا کہ حسب سابق اس دفعہ بھی فلیٹیز ہی میں قیام کرے۔

٭۔۔۔٭

ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔میں نے گھڑی دیکھی تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔میں نے حِنا کو چائے منگوانے کے لیے کہا۔تھوڑی دیر میں چائے آگئی،اور ہم چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔رات گئے تک ہم اپنے کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔رات کے دس بج رہے تھے۔کسی نے ہمارا دروازہ ناک (KNOCK) کیا پلیز۔کم۔ان (PLEASE COME IN) حِنا نے کہا۔

استقبالیہ کا ایک ملازم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔اس کے ہاتھ میں ایک اٹیچی کیس تھا۔اس کے پیچھے داخل ہونے والا آدمی کرنل سعید تھا جو دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔اس کے بعد حِنا دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔اُسے بے تحاشا چومنے لگ گئی اور ساتھ ہی دھاڑیں مار مار کر روتی رہی۔حوصلہ کرو حِنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔اب میں آگیا ہوں انشاءاللہ تعالےٰ اب میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔سعید نے حِنا کی پیٹھ تھپتھپائی اور پھر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔حِنا نے روتے ہوئے سعید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بچوں کی طرح اسے چومنا شروع کر دیا۔سعید کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔عجیب منظر تھا۔میں مجرموں

کی طرح سر جھکائے ایک طرف کھڑا ان کو غور سے دیکھتا رہا۔ حنا کی کچھ دھیر بندھی تو وہ کافی دیر تک سعید کے گلے میں بانہیں ڈالے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو۔ سعید نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ صوفہ پر بٹھا لیا۔ میں نے چائے کے لیے ٹیلی فون کیا۔ جلد ہی چائے آ گئی۔ میں نے سعید سے پوچھا۔

بھائی جان آپ نے تو کمال کر دیا ہے۔ اتنے تھوڑے سے وقت میں آپ پنڈی سے کراچی پہنچ گئے ہیں

بس کراچی آنے والی فلائیٹ میں اتفاق سے جگہ مل گئی۔

سعید صاحب ہم پروگرام بنا رہے تھے کہ ہم ایک دو دن میں لاہور شفٹ ہو جائیں۔

ٹھیک ہے احمد صاحب۔ پروگرام مکمل طور پہ طے ہو جائے تو بے شک آپ لاہور شفٹ ہو جائیں۔ کراچی میں رہنے کا اب کوئی تک ہی نہیں ہے۔

☆☆☆

کھانا کھانے کے بعد ہم تینوں تھوڑی دیر تک گھومنے کے لیے چلے گئے۔ واپسی پر سب پروگرام طے کرنا تھا۔ سعید کے لیے ابھی کمرہ بھی لینا تھا۔ واپس کمرے میں آئے تو حنا نے مینیجر کو فون کیا کہ ہمیں ایک سنگل کمرہ اور چاہیے۔ ہمارے کمرے کے قریب ہی ہمیں کمرہ مل گیا۔ میں نے حنا کو کہا کہ میں اس کمرے میں شفٹ ہو جاتا ہوں۔ آپ دونوں اب راز و نیاز کی باتیں کریں۔ شکایات کے دفتر کھولیں۔ وہ شرما گئی۔ حواس مجتمع کرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگی۔

نہیں احمد صاحب۔ جب تک ممکن ہوا میں تم سے جدا نہیں ہونا چاہتی۔

میں نے کہا۔ وہ تو ٹھیک ہے سوہنی صاحبہ۔ لیکن اب آپ کا مہینوال آ گیا ہے۔ وہ کیسے برداشت کرے گا کہ وہ تو الگ کمرے میں رہے اور ایک غیر آدمی اس کی ہونے والی بیوی کے ساتھ رات بھر ایک الگ کمرے میں رہے۔

احمد کیا کہا۔ ایک غیر آدمی؟۔ تم میرے لیے غیر آدمی ہو۔ تم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ اور پھر جب سعید کو یہ یقین ہے کہ تم کسی قیمت پر بھی کسی غیر عورت سے جنسی

تعلقات نہیں بڑھا سکتے۔ میں سمجھتی ہوں وہ اس بات کو محسوس ہی نہیں کرے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسے میرے مزاج کا بھی اچھی طرح سے علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہتی ہوں دل کی گہرائیوں سے اور سنجیدگی سے کہتی ہوں۔

ہم تینوں وہ نیا کمرہ دیکھ کر آئے۔ سعید نے خود ہی کہہ دیا کہ میں اس کمرے میں رہوں گا۔ میں نے اسے کہا کہ اب آپ حنا کے پاس ہی رہیں۔ کافی عرصے کے بعد ملے ہیں۔ جی بھر کر باتیں کریں۔ ایک دوسرے سے شکوے شکایات کریں لیکن وہ نہ مانا وہ اپنا اٹیچی اٹھا کر اپنے کمرے میں رکھ کر اسے لاک کر کے آ گیا۔ ہم تینوں نے چائے پی اور بڑی دیر تک جہلم کی باتیں اور میری ہوش و خرد سے بے گانگی کی باتیں کرتے رہے سعید نے حنا کو بتایا کہ تمہارے جہلم سے چلے آنے کے بعد کیسے احمد صاحب ہماری کوٹھی کے سامنے پل پر بیٹھ کر ویران اور مقفل کوٹھی کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتے رہتے تھے سڑک سے گذرنے والے لوگ انہیں سودائی سمجھتے تھے۔ میں ان کو اکثر اوقات کار کے بعد اس پل پر بیٹھے ہوئے اداس و پریشان دیکھتا تھا۔ اور دل میں افسوس کرتا تھا کہ کتنا خوبصورت آدمی ہے لیکن حنا کی محبت میں بالکل سودائی ہو گیا ہے۔ ایک دن میں نے ان کے پاس گاڑی روکی اور ان کو کہا۔

میاں اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ اس ویران کوٹھی کو کیا دیکھتے ہو۔ اس کے مکین جا چکے ہیں تو یہ مجھ سے کہنے لگے۔

کرنل صاحب اس کوٹھی کی مکین تو حنا تھی۔ وہ تو اب بھی یہاں ہے۔ اس کوٹھی سے میرے خانۂ دل میں منتقل ہو گئی ہے۔ میں نے تو اسے چلتا پھرتا دیکھتا ہوں۔ ہم دونوں گھنٹوں آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ آپ کو حنا نظر نہیں آتی۔ آپ کا کوئی قصور نہیں۔ آپ نے کبھی اسے دل کی آنکھ سے دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ آپ اس طرح کی باتیں نہ کرتے اور میں سمجھ گیا کہ یہ بے چارا جس منزل پر پہنچ چکا ہے۔ اس کا اب وہاں سے واپس آنا بہت مشکل ہے۔ لیکن حنا میں سمجھتا ہوں کہ دل والوں کی اپنی ایک الگ دنیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک الگ اور مکمل سائنس ہے جو ہم دنیا والے نہیں جانتے۔ حنا تم تو فی الواقعہ اس

کے دل کے نہاں خانوں میں بسی ہوئی تھی۔ وہ جب چاہتا ہے تمہیں بلا لیتا ہے۔ تم سے باتیں کرتا ہے۔ سعید نے بات ختم کی تو میں نے کہا۔

سعید صاحب یہ باتیں تو اب ماضی کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اب ماضی کی تلخیوں کو بھول کر مستقبل کی خوشگوار راہیں تلاش کریں۔ سعید صاحب آپ اور حِنا صاحبہ دونوں ماضی میں ایک مستقل عذاب میں مبتلا رہے ہیں اس لیے میں اب آپ دونوں سے یہ گذارش کرتا ہوں کہ آپ اب ایک ابدی رشتے میں منسلک ہو جائیں۔

مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ میں تو آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے اس سلسلے میں ہماری مدد کی ہے۔ اور میری راہ سے سب کانٹے صاف کر دیے ہیں۔

سعید صاحب یہ میرا فرض تھا آپ میرے بڑے بھائی ہیں —— کہو حِنا اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ میں نے حِنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

آپ کو میری طرف سے پورا اختیار ہے۔ آپ جو چاہیں کریں۔

میں اور سعید دونوں رات گئے تک شادی کی تفصیلات طے کرتے رہے۔ باہمی رضامندی سے یہ طے ہوا کہ حِنا میرے ساتھ لاہور شفٹ ہو جائے گی۔

سعید نے کہا کہ میں آپ کے کرنل صاحب کو کہہ کر آپ کو اجازت لے دوں گا تاکہ آپ اوقاتِ کار کے بعد حِنا کے پاس فلیٹیز میں آجایا کریں۔ آپ کے آنے جانے کا انتظام حِنا کر دے گی۔ حِنا میری گود میں سر رکھے یہ سب باتیں بہت ہی دلچسپی سے سنتی رہی۔ سعید کی موجودگی میں اس کا یوں میری گود میں سر رکھ کر لیٹنا مجھے کچھ اچھا نہ لگا۔ میں اس سے ذہنی طور پر اپ سیٹ (UP SET) ہو رہا تھا۔ سعید میری اس کیفیت کو بھانپ گیا اور کہنے لگا مجھے آپ دونوں پر پورا بھروسہ ہے۔ حِنا بخوشی اس حالت میں لیٹی رہی میں ہرگز محسوس نہیں کرتا۔ حِنا اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

آپ لوگ مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت دیں گے۔

سعید نے کہا۔ فرمائیے جناب۔ کچھ ایمان کی شرطیں پیش کرنے لگی ہیں۔

اتنی سخت اور بے جا نہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔

ارشاد۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔ آپ کے ارشادات سننے کے لیے تیار ہوں۔ سعید نے کہا۔

سعید صاحب پہلی بات یہ ہے۔ میں اور احمد ہم دونوں قرآن کریم پر حلف اُٹھا کر یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ ہمارے آپس میں کسی قسم کے کوئی قابل اعتراض تعلقات نہیں ہیں۔ اس کے باوجود ہم ایک دوسرے کو بے حد چاہتے ہیں۔ ان ہی کے کہنے پر میں آپ کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہوئی ہوں۔ شادی کے بعد ان کا مجھ سے ملنا جلنا آپ بند نہ کریں گے۔ یہ میں شادی یا مناسب سمجھتی ہوں کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم دونوں کے ازدواجی تعلقات اس سے بے حد متاثر ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے پاس جو جیولری ہے وہ آپ ڈیمانڈ نہ کریں گے۔

شادی کے بعد آپ اس جیولری کو کس مصرف میں لائیں گی۔ سعید نے ملتجیانہ انداز میں پوچھا۔

جناب بمبئی میں میری ماں آج کل سوشل ورک (SOCIAL WORK) کر رہی ہے۔ انہوں نے بمبئی پراپر (PROPER) کی سکونت ترک کر کے وہاں سے پندرہ بیس میل دور ساحلِ سمندر پر مچھیروں کی بستیوں میں ایک سکول ایک میٹرنٹی ہوم (MATERNITY HOME) اور ایک ہسپتال بنانے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ ان کے پاس اپنا سرمایہ بھی ہے لیکن میں بھی ان کی بھرپور مدد کرنا چاہتی ہوں۔ دوسرا پروجیکٹ میرا، احمد صاحب کے لیے ایک کوٹھی بنانا ہے۔ یہ لاہور، پنڈی پشاور یا جس اور سٹیشن پر کہیں میں ان کو وہاں پر بنا کر دوں گی۔ چونکہ ان کی اپنی تنخواہ بہت ہی قلیل ہے اور یہ خود نہیں بنا سکیں گے۔ اور میرا تیسرا پروجیکٹ یہ ہے۔ احمد صاحب کی دو بیٹیاں ہیں۔ جواب دس اور آٹھ سال کی ہیں۔ میں وقت آنے پر ان کی شادی کے تمام اخراجات برداشت کروں گی۔ سعید تم یقین کرو کہ یہ سب کچھ کر لینے کے بعد بھی ہمارے لیے اور ہمارے بچوں کے لیے بہت کچھ بچ رہے گا۔

جناب مجھے ان سب اخراجات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ البتہ آپ میری

خصوصی التجا پر احمد صاحب کو ایک نئی کار بھی خرید کر دیں۔ سعید نے بڑی سنجیدگی سے یہ بات کی۔

میں اُن کی یہ باتیں بڑے غور سے سُن رہا تھا۔ میں نے ان سے عرض کی۔

آپ دونوں کا بے حد شکریہ۔ میں دیہاتی آدمی ہوں۔ ملازمت کے بعد واپس اپنے گاؤں چلا جاؤں گا۔ وہاں میرے باپ دادا کا ایک کچا مکان میسر ہے۔ باقی رہا مسئلہ میری بچیوں کی شادی کا سو عرض ہے کہ وہ ہمارے رسم و رواج کے مطابق ہو ہی جائیں گی۔ ہمارے زیادہ قیمتی جہیز اور جیولری دینے کا کوئی رواج نہیں ہے جو کچھ میسر ہوا میں بچیوں کو دے کر ان کی شادی کر دوں گا۔

باقی رہ گئی کار۔ تو حضور والا۔ میں ایک عام سا چھوٹے رینک کا فوجی ہوں۔ میں فوجی ڈسپلن اور ٹریڈیشن (TRADITIONS) کے خلاف ہے۔ آپ دونوں کا بیحد شکریہ۔ میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ میں اتنا عرض کروں گا کہ آپ دونوں مجھے اپنے نیاز مندوں میں رہنے دیں۔ اتنا چاہتا ہوں کہ جب چاہوں حنا سے مل سکوں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ حنا مجھے آنے جانے کے اخراجات کے لیے پیسے دیتی ہیں میں وہ پیسے بھی آئندہ ان سے نہ لیا کروں گا۔ ہوائی جہاز کی بجائے تھرڈ کلاس میں سفر کر لیا کروں گا۔ لیکن حنا سے پیسے ہرگز نہ لوں گا۔

حنا کے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے مجھ سے کہنے لگی۔

احمد صاحب اتنی اجنبیت تو نہ پیدا کیجیے۔

نہیں حنا ایسا کبھی نہ ہوگا۔

***

دوسرے دن شام کی فلائٹ سے سعید واپس پنڈی چلا گیا۔ دو دن کے بعد پروگرام کے مطابق ہمیں بھی لاہور شفٹ ہونا تھا۔ میں نے حنا سے کہا کہ تمام اخراجات کے لیے تم ابھی سے پیسے نکلوا لو۔ تم دولہن بن جاؤ گی تو پھر تمہارا آنا جانا کم ہو جائے گا۔

ہاں ٹھیک کہا آپ نے۔ کتنی رقم نکلواؤں۔ ایک لاکھ سے کام چل جائے گا

میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ لوگ بڑے آدمی ہیں۔ اپنے اخراجات کا آپ خود ہی اندازہ لگالیں۔

احمد ہماری طرف سے بڑا خرچہ فلیٹیز میں بارات کو کھانا دینا ہوگا۔ کتنے آدمیوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔

یہ بات ہم بعد میں سعید سے پوچھ لیں گے۔ آپ ایسا کریں کہ لاہور جاکر آپ کسی بنک میں اپنا اکاؤنٹ کھول لیں۔ بعد میں اگر کراچی سے مزید رقم منگوانے کی ضرورت پیش آئی تو لاہور کے بنک کے نام چیک جاری کر دینا۔ وہ خود منگواتے رہیں گے۔

ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔

دوسرے دن میں اور حنا لاہور شفٹ کر کے آگئے۔ لاہور ایئرپورٹ پر میں نے حنا کو کہا کہ میں اب واپس اپنی یونٹ میں جاتا ہوں۔ چھ دن میری چھٹی کے باقی ہیں وہ میں منسوخ کروا دوں گا تاکہ پھر شادی کے موقعہ چھٹی لینے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ لیکن وہ نہ مانی اور مجھے فلیٹیز میں لے گئی۔ میں نے حنا سے کہا:

حنا میں چاہتا ہوں کہ ان چھ دنوں کے اندر تمہاری رخصتی ہو جائے تاکہ میں اطمینان سے اپنی یونٹ میں واپس جاکر دلجمعی سے اپنا کام کرسکوں۔

کیا میری موجودگی سے آپ کو کوئی پریشانی ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں جلد سے جلد تم سے الگ ہوکر سعید کے پاس چلی جاؤں۔

پریشانی کی کوئی بات نہیں حنا! میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اس اہم ذمہ داری سے جلد سے جلد فارغ ہو جاؤں۔

شام کو میں نے ٹیلی فون پر سعید کے ساتھ بات کی۔

بھائی جان آپ آٹھ تاریخ کو بارات لے کر فلیٹیز پہنچ جائیں۔ تاکہ اس دن رسم نکاح بھی ادا ہو جائے اور آپ دلہن کو بھی لے جاسکیں۔ ساتھ ہی آپ ہمیں یہ بھی بتائیں کہ آپ کے ساتھ کتنے آدمی آئیں گے تاکہ ہم ہوٹل والوں کو کھانے کا آرڈر دے سکوں۔ ساتھ ہی آپ مینو (MENU) بھی بتادیں تو اچھا ہوگا۔

میں زیادہ آدمیوں کو ساتھ نہیں لاؤں گا۔ تقریباً بیس آدمی ہوں گے۔ دوپہر کا کھانا اور شام کی چائے کا آپ انتظام کر دیں۔ مینو (MENU) جو آپ چاہیں بنا لیں۔

کرنل صاحب بہادر آپ لوگوں کے سٹینڈرڈ اور میرے سٹینڈرڈ میں بڑا فرق ہے میں دال روٹی کھانے والا ایک معمولی فوجی سپاہی ہوں۔ مجھے بڑے لوگوں کے لوازمات کا کچھ علم نہیں۔ آپ جس طرح کا کھانا مہمانوں کے لیے کہیں گے۔ میں اس طرح کا انتظام کر لوں گا۔

احمد صاحب یہ کوئی بڑی پرابلم نہیں ہے۔ آپ ہوٹل کے مینجر کو کہہ دیں کہ تقریباً بیس مہمانوں کے لیے اچھے سے اچھے کھانا کا انتظام کر دیں۔

* * *

آج سات تاریخ ہے۔ کل پنڈی سے برات نے آنا ہے۔ حنا آج صبح ہی سے بہت ڈسٹرب (DISTURB) ہے کھڑکی کے سامنے بیٹھی دور خلاؤں میں گھورے جا رہی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔ اور وہ آنسو پی جانے کی ایک ناکام کوشش میں پھر خلاؤں میں بے مقصد نظروں سے ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگ جاتی۔

کیوں حنا خیریت تو ہے آج تم مجھے بڑی اَپ سیٹ نظر آ رہی ہو۔

ہاں احمد میں سوچ رہی ہوں کہ آج تمہارے ساتھ میرا یہ آخری دن ہے۔ پھر شاید زندگی میں ہم اس قدر آزادی سے نہ مل سکیں۔ میں سوچتی ہوں دنیا میں اللہ میاں نے بھی کیسے کیسے آدمی بھیجے ہیں۔ ایسے آدمی بھی ہیں جو اپنی متاعِ حیات کو دوسروں کی خوشی کے لیے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور پھر خود زندگی بھر جدائی کی آگ میں جلتے رہتے ہیں

حنا یہ سب شاعرانہ باتیں ہیں۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ جدائی کے یہ گھاؤ آہستہ آہستہ بھر جائیں گے۔ اور آنے والا وقت ہمیں حالات کے دھارے پر بہا کر ایک دوسرے سے بہت ہی دور لے جائے گا۔ اور اگر کبھی ہم پلٹ کر گذشتہ زندگی پر نظر

دو بڑھائیں گے تو محبت کا ایک ننھا سا دیا دُور اُفق پہ کہیں جھلملاتا ہوا نظر آئے گا۔

حنا رو پڑی اور میرے گلے میں بانہیں ڈال کر مجھ سے کہنے لگی۔ احمد تم سعید کو ابھی ٹیلی فون کر دو۔ وہ کل برات لے کر نہ آئے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں بعد میں سوچ کر اُسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی۔

حنا تم پاگل تو نہیں ہو گئی۔ کتنی مشکلوں کے بعد یہ معاملہ طے کیا ہے اور اب تم پہلو تہی کی کوشش کر رہی ہو۔

نہیں احمد یہ میرے بس کی بات نہیں۔ میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔

تم نے خود ہی مجھ سے کہا تھا کہ ٹھیک ہے میں اب سعید سے شادی کر لوں گی۔

ٹھیک ہے کہا تھا لیکن احمد۔ میں اب آنے والے حالات و واقعات کو فیس (FACE) نہ کر سکوں گی۔

حنا حوصلہ کرو۔ اپنے دل کو قابو میں رکھو۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں تمہاری بہتری کے لیے ہی کر رہا ہوں۔ یہ بچوں کا کھیل اب زیادہ دن تک نہ چل سکے۔ ایک نہ ایک دن ہمیں زندگی کی تلخیوں سے دوچار ہونا ہی پڑے گا۔ میں نے اُسے حوصلہ دیا۔ اس کی ڈھیر بندھائی۔ اُسے پکڑ کر بستر میں لٹا دیا۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آرام کرو۔ وہ بستر میں آرام سے لیٹ گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد سو گئی۔

میں نے دوپہر کے کھانے پر اُسے اُٹھایا۔ ہم کھانا کھانے ڈائننگ ہال میں نہیں گئے بلکہ کمرے ہی میں کھانا منگوایا۔ کھانا کھا کر وہ پھر سو گئی اور پھر شام تک سوتی رہی۔ اس نے رات کا کھانا نہ کھایا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے بے مقصد نظروں سے چھت کو دیکھنے لگ جاتی۔ اُداسی اور غم کی ملی جلی کیفیت اس پر طاری رہی۔

حنا تمہارے ذہن پر یہ کیوں بوجھ ہے۔ کوئی مجبوری ہے۔ میں نے اس سے التجا بھرے انداز میں پوچھا۔

احمد مجھے اپنی بے بسی پر رونا آ رہا ہے۔ میں نواب سعادت علی خان کی بیٹی آج پردیس میں یوں بے یار و مددگار اور تنہا۔ اس بے کسی کے عالم میں میری شادی ہو رہی ہے کہ

کوئی عزیز و اقارب اس موقعہ پہ موجود نہیں۔ مجھے اپنی قسمت پر رونا آرہا ہے۔ آج میری سکھیاں ہوتیں۔ مہندی لگائی جاتی۔ شادی کے گیت گائے جاتے۔ مجھے دُلہن بنا کر بٹھایا جاتا۔ میرے ماں باپ مجھے رُخصت کرتے۔ احمد میں سوچتی ہوں یہ کیسی شادی ہے۔ میں اپنے ماں باپ سے ہزاروں میل دور ان دیکھے جذبوں اور دبی دبی خواہشوں کی بھینٹ چڑھ رہی ہوں۔ جب نکاح ہوگا تو نکاح خواں دلہن اور دولہا کے وکیلوں کے دستخط لے گا۔ میں سوچتی ہوں۔ میرا کون وارث ہوگا۔ میرا وکیل بن کر کون دستخط کرے گا۔ مجھے اپنی اس بے بسی پر رونا آتا ہے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی۔ وہ میرے ساتھ بچوں کی طرح چمٹ گئی۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت وہ اپنے آپ کو عورت نہیں بلکہ ایک کم سن بچہ سمجھ رہی تھی جو کسی تکلیف یا مصیبت کے وقت کسی بزرگ کی ذات میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ حنا بھی اسی طرح مجھے گلے لگا کر کم سن بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی اور میں اسے حوصلہ دے رہا تھا۔ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا جی کچھ ہلکا ہوا تو وہ مجھ سے کہنے لگی۔

احمد! شکر ہے اللہ کا کہ اس موقعہ پر کم از کم تم تو میرے پاس ہو۔

حنا میں پھر بھی اِدھر ہی ہوں۔ تمہیں کسی مرحلے پر کوئی تکلیف ہو تو تم مجھے فوراً بلا لینا۔ میں بغیر کسی تاخیر کے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔

احمد! آج مجھے بڑی شدت سے یہ احساس ہوا ہے کہ "کاش تم میرے خاوند ہوتے" اور اگر خاوند نہ ہوتے تو بھائی ضرور ہوتے۔ یہ دو ایسے رشتے ہیں۔ جن کی ذات میں عورت پناہ تلاش کرتی ہے۔

حنا تمہیں میری مجبوریوں کا علم ہے۔ پھر بھی ہر مشکل وقت میں میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔

٭—٭

تمام رات میں اور حنا باتیں کرتے رہے۔ باتوں سے دل ہی نہ بھرتا تھا۔ وہ کہنے لگی۔ احمد محبت کرنے کے لیے یہ زندگی بہت تھوڑی ہے۔ محبت کرنے والوں کی تو ابدی زندگی

ہونی چاہیے۔ تاکہ وہ جی بھر کے آپس میں پیار کر سکیں۔ پیار و محبت کی میٹھی میٹھی باتیں کر سکیں وہ ٹھنڈی آہ بھر کر کہنے لگی کاش اس رات کی سحر نہ ہو اور ہم یونہی ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ابد تک یونہی باتیں کرتے رہیں۔ میں نے گھڑی دیکھی تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ میں نے اس یادگار رات کی طلسماتی فضا کو خیرباد کہنے کے لیے آہستہ سے کہا۔

حنا حسن کے سوداگر اب پنڈی سے چلنے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ بس یہ چند لمحے میری زندگی کا ماحصل ہیں۔ اس کے بعد میں عقل کے صحراؤں میں سچ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہوں گا اور پھر ایک دن تھک ہار کر قبر میں اُتر جاؤں گا۔ اور نرم و نازک سی بھُربھُری مٹی اپنے ارد گرد لپیٹ کر سو جاؤں گا۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو گی۔ کہ الف لیلیٰ کی داستان کا وہ پُراسرار جادوگر، جو سب کے لیے اجنبی تھا اور جو دماغ کے صحراؤں میں اکیلا گھومتا رہتا تھا اور جسے عالمگیر صداقت کی تلاش تھی وہ اس صداقت کو نہ پا سکا۔ اور ہم سے جُدا ہو کر خلا کی پنہائیوں میں کہیں کھو گیا ہے۔ لیکن حنا زمانے والوں کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ وہ دردمندوں کے دلوں میں جھانک کر دیکھیں اور ان کے دُکھ درد کا مداوا کریں۔

حنا نے اُٹھ کر میز کا دراز کھولا اور اس سے مجھے ایک چیک بک اور پاس بک نکال کر دی۔

یہ کیا ہے حنا۔ میں نے استفسار بھرے لہجے میں اس سے پوچھا۔

میں نے تمہارے نام ایک چھوٹا سا اکاؤنٹ کھولا ہے تاکہ میرے چلے جانے کے بعد تم ہوٹل کے بل اور دوسرے متفرق اخراجات پورے کر سکو۔

صرف کل کا دن ہے۔ تم پنڈی چلی جاؤ گی اور میں اپنی یونٹ میس (MESS) میں شفٹ ہو جاؤں گا۔ کل جانے سے پہلے ہوٹل کے بل سب کلیر کر دیں گے۔

نقد پیسے آپکے پاس ہیں۔ چیک شاید ہوٹل والے ویسے بھی قبول نہ کریں۔

ہاں احمد تمہاری یہ بات ٹھیک ہے۔ صبح سویرے ہی مینجر سے مل کر یہ بات صاف

کرلینا۔

بہت اچھا۔

٭ ٭ ٭

آٹھ تاریخ کا سورج طلوع ہوا۔ حنا آج کل سے بھی زیادہ اُداس اور مغموم تھی۔ دس بجے کے قریب سعید بارات لے کر ہوٹل پہنچ گیا۔ میں نے مینجر اور اس کے سٹاف نے ان کو خوش آمدید کہا۔ سعید سمیت کل بیس آدمی بارات میں تھے۔ ان میں صرف ایک خاتون تھی۔ مرد حضرات سب مین ہال چلے گئے۔ جہاں ان کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس خاتون کو میں اور سعید حنا کے کمرے میں لے گئے۔ خاتون کوئی چالیس کے پیٹے میں ہوگی۔ اچھی شکل وصورت، پڑھی لکھی اور ماڈرن خاتون تھی۔ وہ اندر آئی تو حنا اُٹھ کر اس سے گلے ملی۔ میں اور سعید اسے چھوڑ کر واپس آ گئے۔ میں نے ان کے لیے چائے بھجوائی۔ مہمان چائے پی چکے تو میں نے نکاح خوان کو بلایا اور اسے نکاح پڑھنے کے لیے کہا۔ نکاح پڑھا گیا۔ ایجاب وقبول ہوا۔ رجسٹر میں حنا کے وکیل کے طور پر میں نے دستخط کیے اور یہ مرحلہ بخیر وخوبی انجام پذیر ہوا۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھے حاضرین ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔ سعید کے چند دوست اسے تنگ کر رہے تھے۔ ایک بجے کے قریب مینجر نے آکر بتایا کہ ڈائننگ ہال میں کھانا لگا دیا گیا ہے۔ سب لوگوں نے کھانا کھایا اور دو بجے باراتی پنڈی واپس چلنے کی تیاریوں میں لگ گئے۔

میں نے ہوٹل کے مینجر کو کہا کہ وہ مجھے مکمل بل لا کر دے جس میں میرے اور حنا کے گذشتہ چار دن کا قیام وطعام کا بل بھی شامل ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھے نو ہزار کا بل لا کر دیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

کیا پے منٹ بذریعہ چیک بھی کی جا سکتی ہے

نہیں صاحب معافی چاہتا ہوں۔ چیک صرف مستقل رہنے والے لوگ اشوع کرتے ہیں۔ دوسرے حضرات نقد ادائیگی کرتے ہیں۔

میں نے حنا کو جا کر بتایا کہ ہوٹل والے چیک قبول نہیں کرتے۔
کتنا بل بنا ہے۔ حنا نے مجھ سے پوچھا۔
نو ہزار روپے آج کا اور پچھلے چار دنوں کا ملا کر بنا ہے۔
اتنے پیسے تو میرے پاس ہوں گے۔ اور حنا نے یہ رقم مجھے دے دی۔
میں نے نو ہزار کا بل مینجر کو ادا کر کے اس سے رسید لی اور وہ رسید پھر میں نے حنا کو لا کر دے دی۔ وہ مجھ سے کہنے لگی۔
احمد میں اس رسید کو کیا کروں گی۔ تم اپنے پاس رکھو۔
میں نے رسید جیب میں رکھ لی ـــــ حنا وہ میرے نام کا آپ نے جو اکاؤنٹ کھولا ہے۔ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں چیک بک آپ کو دے دیتا ہوں۔ آپ لینتی جائیں۔
رکھو تم اپنے پاس۔
نہیں حنا مجھے ضرورت نہیں ہے۔
اچھا بعد میں دیکھیں گے۔ ابھی رکھو تم۔

***

تین بج گئے سب باراتی اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ سب سے آگے دولہا اور دلہن کی گاڑی تھی جو خاص طور پر اس مقصد کے لیے سجائی گئی تھی۔ حنا اور وہ مہمان خاتون ابھی تک کمرے میں تھیں۔ میں ان کو لینے کے لیے گیا۔ حنا نے لال رنگ کا قیمتی لباس پہنا ہوا تھا۔ جو خاص طور پر دلہنیں شادی کے موقعے پر زیب تن کرتی ہیں میں حنا کو اس کے کمرے سے نیچے گاڑی تک لے آیا۔ میں نے اسے اپنے بازو کا سہارا دے رکھا تھا۔ وہ خاتون پیچھے پیچھے حنا کا مختصر سا سامان اٹھا کر چلی آ رہی تھی۔ گاڑی میں جب حنا بیٹھنے لگی تو میں نے اس کے ماتھے پر ایک بوسہ دیا۔ وہ مشرقی روایتی عورتوں کی طرح اس وقت رو رہی تھی۔ اس نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ایک بوسہ دیا اور پھر میرا ہاتھ چوم کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر اس خاتون کے ساتھ بیٹھ گئی۔ تین بجکر کچھ منٹوں پر

بارات واپس پنڈی کے لیے روانہ ہوگئی۔ جس گاڑی میں حنا بیٹھی تھی اسے سعید چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر اس خاتون کا خاوند کرنل بخاری بیٹھا تھا۔ بارات کی روانگی سے پہلے میں نے سب باراتیوں سے مصافحہ کیا۔ سعید گاڑی سے باہر نکل کر مجھے گلے ملا اور خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اور بارات روانہ ہوگئی۔

٭ ــ ٭

وہ صبح کی ایک سحر طراز کرن، سرو قد حسینہ میری زندگی کی سب روشنیوں اور خوشیوں کو لے کر ایک نئی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اور اپنے پیچھے تاریکیوں اور اداسیوں کو چھوڑ گئی۔

پروگرام کے مطابق مجھے شام کو اپنے میس واپس چلا جانا تھا۔ لیکن جاتے وقت حنا مجھ سے کہہ گئی۔

احمد تم آج کی رات اسی کمرے میں رہنا۔

کیوں کوئی خاص بات ہے۔ تمہارے چلے جانے کے بعد میں اب اس ویران اور سنسان کمرے میں رہ کر کیا کروں گا۔ سوائے اس کے کہ تمہاری یاد میں ٹھنڈی آہیں بھرتا رہوں اور اپنی بے بسی پر آنسو بہاتا رہوں۔

میں تقریباً نو بجے رات تم سے ٹیلی فون پر بات کروں گی۔

ہوٹل کا مینیجر مجھے ڈائننگ روم میں ملا۔ مجھ سے پوچھنے لگا۔

سر آپ پنڈی نہیں گئے۔

نہیں مینیجر صاحب۔

آپ کچھ دن اور یہاں قیام فرمائیں گی۔

نہیں میں کل صبح چلا جاؤں گا۔ اگر آپ کا آج کا بل ہو تو صبح ناشتے کے بعد آپ لے لیں۔

سر آج کمرے کا کرایہ بل میں شامل کر دیا ہوا ہے۔ البتہ رات کے کھانے اور صبح کے ناشتے کا بل ہوگا۔ وہ میں آپ کو صبح بھجوا دوں گا۔

ٹھیک ہے کل جانے سے پہلے میں یہ بل ادا کر دوں گا۔

میں فوراً ہی کھانا کھا کر کمرے میں واپس آ گیا۔ یہ وہی کمرہ تھا جو آج صبح تک رنگ و نور اور خوشبوؤں کا مسکن تھا۔ جو حنا کے چلے جانے کے بعد بالکل ویران اور سنسان پڑا ہوا تھا جو میری کسمپرسی اور بے بسی کا نوحہ بیان کر رہا تھا۔ ساری رونقیں اور رنگینیاں حنا اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ کمرے میں اُداسی کا راج تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ ابھی نو بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ یہ چند منٹ بھی میرے لیے چند صدیوں سے کم نہ تھے۔ حنا تو وہاں چہل پہل اور رنگینیوں میں کھوئی ہوئی ہوگی۔ اسے کیا خبر کہ ایک غریب الدیار شخص ایک اُجڑے ہوئے ویران کمرے میں بیٹھا ہر سانس کے ساتھ اسے یاد کر رہا ہے۔

میں اپنے خیالات کے اسی تانے بانے میں اُلجھا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ٹیلی فون بالکل حنا کے پلنگ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ میں اپنے بستر سے اُٹھ کر حنا کے بستر پر آ گیا۔ رسیور اُٹھا کر ٹیلیفون اٹینڈ کیا۔

میں پنڈی سے زاہدہ سعید بول رہی ہوں۔ احمد صاحب کیسے ہیں آپ۔

زاہدہ سعید کا نام سُن کر میرے اندر کا مرد جو رقابت کی ایک مسلسل آگ میں جل رہا تھا۔ اپنے ہوش حواس قائم نہ رکھ سکا۔ معاف فرمائیں محترمہ۔ میں کسی زاہدہ سعید کو نہیں جانتا۔ ساری رانگ نمبر۔ اور میں نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پھر گھنٹی بجی۔ میں نے ٹیلی فون اُٹھایا۔

میں پنڈی سے زاہدہ سعید بول رہی ہوں۔ احمد صاحب سے بات کرنا ہے۔

محترمہ میں نے آپ کو پہلے بتا دیا ہے کہ میں کسی زاہدہ سعید کو نہیں جانتا۔

آپ کسی لڑکی زاہدہ حنا کو جانتے ہیں۔

جانتا تھا۔

احمد۔ یہ کیا تم آنکھ مچولی کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو۔ سیدھی طرح سے بات کرو کیوں موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ احمد میں حنا بول رہی ہوں۔ آپ جانتے ہیں حنا کو۔

ہاں حنا ایک لڑکی تھی جس نے میرے دل کے ویران کاشانے کو آباد کر رکھا تھا پر اب نہ جانے وہ کہاں چلی گئی ہے۔

احمد تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ یہ کیا اُلٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو۔

محترمہ میں نے آپ کو کہہ دیا ہے کہ میں کسی زاہدہ سعید سے بات نہیں کرنا چاہتا ہاں حنا نام کی لڑکی تمہارے ہاں ہے تو میں اس سے بات کر سکتا ہوں۔

احمد خدا کے لیے تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں حنا ہی بول رہی ہوں تمہارے ماضی کی حنا۔ احمد مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو ابھی تو مجھے تم سے الگ ہوئے صرف چھ ہی گھنٹے ہوئے ہیں۔

حنا اِس عرصے کو تم چھ گھنٹے کہہ رہی ہو۔ یہاں مجھ پر تو چھ صدیاں بیت گئی ہیں۔ میں تو روزِ ازل ہی سے ناکام و نامراد خلا کی وسعتوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔

احمد یقیناً تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں سعید کو بتا کر ابھی بائی ایر (BY AIR) واپس آ رہی ہوں۔

حنا اب تم وہ پہلے والی حنا نہیں ہو۔ اب تم بڑے ہی کٹھن بندھنوں میں جکڑی جا چکی ہو۔ اب تم آزاد فضاؤں میں اُڑنے والی پنچھی نہیں کہ کبھی پشاور تو کبھی لاہور کبھی کراچی تو کبھی بمبئی۔ اب تم ایک شخص کی منکوحہ بیوی ہو اب جو کچھ سعید کہے گا۔ تمہیں وہی کرنا پڑے گا۔

احمد صاحب ان خدشات کا اظہار آپ نے پہلے نہیں کیا۔

اس لیے نہیں کیا کہ اب تم اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی کہ سعید کے ساتھ تمہاری شادی ہو جائے۔

نہیں احمد کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ میں تمہیں ترجیح دیتی تھی لیکن تم خود ہی پہلو تہی کرتے چلے آئے ہو۔ خدا کی قسم میں اس بندھن کو اسی مرحلے پر بھی توڑ سکتی ہوں ابھی تو سعید نے مجھے ہاتھ تک بھی نہیں لگایا۔ میں سمجھتی ہوں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تمہاری وحشت بھی بڑھتی جائے گی اور کہیں تم اپنے آپ کو بھی بھول کر اس

رقابت کی آگ میں جل کر راکھ نہ ہو جاؤ ۔ پھر تمہاری بچیوں کا کیا ہوگا ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تم اپنے حالات سے مجبور ہو کر مجھے نہیں اپنا سکے ۔ لیکن یہ اس سے بھی بڑی حقیقت ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر مجھ سے الگ بھی نہیں رہ سکتے ۔ اور مجھے اب ڈر لگ رہا ہے کہ تمہاری اس آگ میں تمہارے اہل خانہ بھی نہ جل مریں ۔ مجھے تم جیسے کہتے ہو میں ایسا کرنے کے لیے تیار ہوں ۔ اس دنیا میں مجھے تم سے زیادہ عزیز اور کوئی چیز نہیں ۔ تم خوش ہو تو میں خوش ہوں ۔ اب تم مجھے اپنے دل کی بات بتا دو ۔ اگر تم کہتے ہو تو میں ابھی روانہ ہو سکتی ہوں ۔

نہیں حنا میں ٹھیک ہوں ۔ تم کوئی ایسی غلطی نہ کرنا کہ جس سے تمہارا مستقبل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاریک ہو جائے ۔

نہیں احمد مجھے اپنے مستقبل کی اتنی زیادہ فکر نہیں ہے جتنی تمہاری ہے ۔

حنا تم میری فکر نہ کرو ۔ میں وقت کے جھوکوں کے ساتھ ساتھ ٹھیک ہوتا جاؤں گا ۔

اچھا چھوڑو اس فلسفیانہ بحث کو ۔ کہو کیا حال ہے ۔

حضور میں نے آپ کو پہلے بھی عرض کی ہے کہ ٹھیک ہوں ۔ آپ کے ٹیلی فون کے انتظار میں اب تک زندہ ہوں ۔ اچھا چھوڑیئے اسے یہ بتایئے آپ پنڈی کب پہنچے ـــــ

سات بجے پہنچ گئے تھے ۔ جو لوگ بارات میں لاہور گئے تھے ۔ ان کا آج سات کا کھانا ہمارے ہاں ہے ۔ ابھی تھوڑی دیر میں کھانا لگ جائے گا ۔ پھر فارغ ہو کر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے ۔ اچھا تم یہ بتاؤ ۔ تمہاری ابھی تین دن کی چھٹی باقی ہے نا ۔

جی ہاں ۔ لیکن میں بارات کے رخصت ہونے کے بعد ہی اپنی یونٹ میں چلا جاتا لیکن تمہارے ٹیلی فون کے لیے رک گیا ہوں ۔

احمد ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مزید تین دن فلیٹیز میں اسی کمرے ہی میں رہو اور میرے

بستر پر سوؤ اور صبح و شام ٹیلی فون پر میرے ساتھ بات چیت کرو۔

نہیں حنا میں سویرے چلا جاؤں گا۔ اب یہاں میرا دل نہیں لگتا۔ اس ویران اور سنسان کمرے میں آکر میں اور بھی زیادہ اُداس اور مغموم ہو جاتا ہوں۔

کیا میں دن میں دفتری اوقات میں تمہارے ساتھ ٹیلی فون پر بات چیت کر سکتی ہوں۔

نہیں حنا۔ دفتر میں میرے پاس بہت آدمی ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری باتیں کوئی اور آدمی نہ سُنے۔

تم اگر کہتے ہو تو میں تمہارے کمرے میں ٹیلی فون لگوا دیتی ہوں۔

نہیں حنا ایسا فوجی قانون کے تحت ممکن نہیں ہے۔

تو پھر کوئی اور تجویز ہی بتاؤ۔

تم ایسا کرو تم رات کو نو بجے میرے دفتر کے ٹیلی فون پر مجھ سے بات کر لیا کرو۔ میں اس وقت وہاں تمہارے فون کا انتظار کیا کروں گا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔

صبح تم کس وقت واپس یونٹ میں جاؤ گے۔

آٹھ بجے کے بعد ہی جاؤں گا۔

اچھا میں صبح پھر تم سے بات کروں گی۔

تم صبح آٹھ بجے کہاں اُٹھو گی۔ رات کی ایکزرشن (EXERTION) سے تھک ہار کر تم اتنے سویرے کہاں اُٹھ سکو گی۔

یو۔ ناٹی۔ لوائے۔ بڑوں سے ایسی باتیں نہیں کرتے۔ اگر تم اس وقت میرے پاس ہوتے تو تمہارے کان ضرور کھینچتی۔

ابھی میری تین دن کی چھٹی باقی ہے۔ اگر تم کہو تو میں ادھر ہی سے سید ھا پنڈی آجاتا ہوں تاکہ تم آسانی سے میرے کان کھینچ سکو۔

خدا کی قسم بڑا مزہ آئے گا۔ کہو تم کب تک آرہے ہو۔

بابا اس فوجی کرنیل سے مجھے کیوں بھڑاتی ہو۔

نہیں احمد۔ سعید تو تمہاری بہت تعریف کرتا ہے۔

آج کے بعد اگر تعریف کی تو پھر دیکھیں گے۔ تمہیں حاصل کرنے تک تو اُسے تعریفیں کرنا ہی تھیں۔

خیر یہ بعد کی بات ہے۔ احمد معاف کرنا۔ مہمان آگئے ہیں اور مجھے سعید بلانے کے لیے آیا ہے۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔ ویسے تم کل صبح ٹیلی فون نہ کرنا۔ میں صبح سویرے ہی واپس چلا جاؤں گا۔

احمد۔ سویٹ لوائے۔ خدا حافظ۔

خدا حافظ۔

میں اُدھر ہی حنا کے بستر پر سو گیا۔ تمام رات مجھے بڑے ہی ڈراؤنے خواب آتے رہے۔ صبح سویرے میری آنکھ کھُلی تو میں نے دیکھا کہ سامنے دیوار پر لگا ہوا کلاک سات بجا رہا تھا۔ میں نے مینیجر کو فون کیا کہ میرا ناشتہ میرے کمرے ہی میں بھیج دیں اور ساتھ ہی مہربانی سے بل بھی ارسال فرمائیں۔ میں اُٹھا۔ نہا دھو کر فارغ ہوا۔ ناشتہ کیا اور سرونٹ کو بلایا۔ بل کی پے منٹ کی اور اسے دس روپے ٹپ کے طور پر دیے۔ میں نے اس سے کہا کہ فوراً میرے لیے ٹیکسی لے آؤ۔ میں جانے کے لیے تیار بیٹھا ٹیکسی کا انتظار کر رہا تھا کہ ٹیکسی نے میرے کمرے کے سامنے آکر ہارن بجایا اور اپنی آمد کا اعلان کیا۔ میں اپنا اٹیچی کیس اُٹھا کر کمرے سے نکلنے لگا تو دروازے پر ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ نہ جانے میرے ذہن میں کیا خلفشار تھا۔ میں پلٹ کر کمرے کے اندر سے دیکھے جا رہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے سینما کی متحرک تصویروں کی طرح گذشتہ تین دن کا قیام آگیا۔ یہاں میرے ساتھ حنا تھی۔ ہم دونوں کے سوا اور یہاں کوئی نہ تھا۔ حنا پر کسی کا کوئی حق نہ تھا۔ وہ سب لوگوں سے زیادہ مجھے چاہتی تھی۔ لیکن میں اس کی چاہت کی قدر نہ کر سکا اور آج اس نے ایک ایسے آدمی کی ذات میں پناہ لی ہے۔ جس سے اسے سخت نفرت تھی۔ میں آہستہ آہستہ بوجھل قدموں سے تھکے ہارے مسافر کی

طرح سرجھکائے چلتا ہوا ٹیکسی میں جا بیٹھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ مینجر سے رسید لے لوں۔ اس نے مجھے آتے ہوئے دیکھا تو خود رسید لے کر باہر برآمدے میں آ گیا۔ میں رسید لے کر واپس گاڑی میں جا بیٹھا۔

۔ صاحب کہاں جانا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے مجھ سے پوچھا۔

بھئی چھاؤنی چلو۔

صاحب چھاؤنی کس جگہ۔

میڈیکل سٹور کے پاس سگنل کا میس ہے۔

☆ ☆

میں تھوڑی دیر میں اپنی یونٹ میں پہنچ گیا۔ سب لوگ اپنے اپنے کام پر گئے ہوئے تھے۔ ہمارے میس میں سوائے ملازمین اور اردلیوں کے اور کوئی نہ تھا۔ اللہ یار خان میرے کمرے کے باہر کرسی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔

میں جب ٹیکسی سے اترا تو اللہ یار خان دوڑ کر آیا اور اس نے میرا اٹیچی کیس اٹھا لیا اور میں اس کے ساتھ چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں نے اللہ یار خان سے پوچھا۔

اللہ یار خان یونٹ سکیم (جنگی مشق) سے واپس آ گئی ہے یا نہیں۔

سر رات ہی کو آئے ہیں۔ اب اپنا اپنا سامان سٹوروں میں ٹھیک کر رہے ہیں۔

لیکن سر ابھی تو آپ کی تین دن چھٹی کے باقی ہیں۔ آپ پہلے کیوں آ گئے ہیں۔

اللہ یار میں گاؤں نہیں گیا تھا۔ کراچی گیا تھا۔ کام ہو گیا ہے تو واپس آ گیا ہوں۔

صاحب اس سوہنی کڑی سے لڑائی تو نہیں ہو گئی کہ آپ پہلے واپس آ گئے ہیں۔

نہیں اللہ یار وہ تو بڈھی ہو گئی ہے۔ اس نے جہلم والے کرنل سعید سے شادی کر لی ہوئی ہے۔ میں تو کراچی ایک دوسرے کام سے گیا تھا۔

صاحب وہ جان تو آپ پر دیتی تھی۔ شادی اس کرنیل سے کر لی ہے۔

اللہ یار خان اس نے یہ شادی میرے کہنے پر ہی کرنل سعید کے ساتھ کی ہے۔ جب میں اس سے شادی نہیں کر سکتا تھا تو کہیں تو اس نے کرنا ہی تھی۔

تو اس کرنل کی بجائے اس کی شادی کسی اور موزوں سے آدمی سے کروا دیتے۔

اللہ یار میں نے تو اس سوہنی کُڑی کو کہا تھا کہ اللہ یار خان کے ساتھ شادی کر لو۔ تو وہ کہنے لگی کہ اگر احمد تم سنجیدگی سے یہ چاہتے ہو تو میں ایسا بھی کر لوں گی۔

چھوڑو صاحب۔ اور وہ یہ کہہ کر اپنا حقہ اُٹھا کر باہر برآمدے میں جا بیٹھا۔

میں اپنا اٹیچی کیس کھول کر سامان ٹھیک کرنے لگا تو چیک بک اور پاس بک پر میری نظر پڑی مجھے فوراً یاد آ گیا کہ حنا نے میرے نام ایک اکاؤنٹ کھولا تھا۔ میں نے جلدی سے پاس بک نکالی اور اس میں رقم دیکھی۔ حنا نے میرے نام بیس ہزار روپے جمع کرائے تھے۔ میں پہلے ہی بڑا زیر بار تھا۔ اس کی مجھ پر بے شمار نوازشات تھیں۔ میں سوچنے لگا اگر میں نے یہ رقم رکھ لی تو یہ میری طرف سے بہت زیادتی ہو گی۔ میں تو چیک بک اور پاس بک ہی قبول نہ کرتا تھا۔ لیکن حنا نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ مجھے اب بھی یہ یقین تھا کہ اگر میں یہ رقم اب اس کو لوٹاؤں تو وہ ہرگز نہ لے گی۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں خود بنک گیا اور وہاں چیک دے کر کرنل سعید کے نام بیس ہزار روپے کا بنک ڈرافٹ بنوا کر بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ سعید کو ارسال کر دیا۔ اس فرض سے سبکدوش ہو کر میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ رجسٹری کرنے کے بعد میں میس میں واپس آیا، کھانا کھایا اور سو رہا۔

دوسرے دن میں نے ڈیوٹی جائن (Join) کر لی۔ کرنل صاحب اور ایڈجوٹنٹ نے مجھ سے پوچھا کہ میں پہلے کیوں واپس آ گیا ہوں۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں جس کام کے لیے گیا تھا وہ بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔ اس لیے واپس آ گیا ہوں۔ میرے اس جذبے سے وہ دونوں خوش ہوئے۔ دفتر کے اوقات کے بعد میں میس میں آیا۔ کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ کر آرام کرنے کی خاطر بستر پر لیٹ گیا۔ اور حنا کے متعلق سوچتے سوچتے میٹھی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

٭٭٭

مَیں اپنے دِل کی ویرانی اور حسین سپنوں کی موت پر مستقل طور پر رنجیدہ رہنے لگا۔ مَیں اکثر سوچا کرتا۔ ہماری خوشیاں اور ہمارے رنج کتنے عارضی ہوتے ہیں۔ ہر رنج اور خوشی کتنی ناپائیدار ہوتی ہے۔ یہ آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ دنیا کے ہنگاموں میں گم ہو جاتے ہیں۔

حنا سے الگ ہو کر مَیں اب ایک بے نام سی افسردگی محسوس کرتا۔ مَیں سمجھتا جیسے میری کوئی بہت ہی عزیز شے تھی جو مجھ سے چھین لی گئی ہے اور مَیں اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انجانے جرم کی پاداش میں مسرت اور خوشی کے پُر رونق ایوان سے نکال دیا گیا ہوں۔ ایک حزن، ایک المناکی کا سیاہ بادل تھا جو میری زندگی کے اُفق کو لمحہ بہ لمحہ محیط کیے جا رہا تھا۔

اب مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے مَیں خلا میں ہوں۔ جہاں زندگی کو حرکت نہیں۔ جہاں ہر شے پر سکوت طاری ہے۔ جمود ہے اور میں پتھر کا ایک بت ہوں اور اس خلائی کائنات کو بے مقصد نظروں سے دیکھے جا رہا ہوں اور چُپ ہوں۔

⁂

دریا تھا وہ تو موج کی صورت گذر گیا
مَیں عمر بھر کی پیاس لیے دیکھتا رہا

بسمل

خلِش ہمدانی

۱۵۵۰ - پریم نگر
اٹک شہر
۲۹ ر اکتوبر ۱۹۹۰ء

تاریخی اہمیت کی حامل عظیم اور شاہکار کتابیں

75/-	راجہ انور	بڑی جیل سے چھوٹی جیل تک	آپ بیتی	60/-	آرتھر ملر	احتساب کا جنون	ڈرامہ
50/-	بے نظیر بھٹو	Pakistan Foreign Policy in Perspective	سیاست	75/-	ثاقب رزمی	اور زریاب نے کہا	دانش
15/-	قیصر زیدی	مہاشتے	عشق	50/-	ذکا الرحمن	خواب سنگین	لکمت
75/-	ترجمہ ستار طاہر	مشرق کے ممالک میں سیاست اور نظریات	تاریخ	50/-	ہارون عدیم	کالا پچ (پنجابی)	افسانے
25/-	ایضاً	غیر جانبدار تحریک	تاریخ	100/	مرتبہ مرحب ہاشمی	لیر لیر دامن (سندھی سے ترجمہ)	افسانے
60/-	ایضاً	روس اور ترقی پذیر ممالک	تحقیق	30/-	راحت نقوی	عورت کی حکمرانی	تحقیق
20/-	ایضاً	عالمی بین الاقوامی امن	تحقیق	150/	ذوالفقار علی بھٹو	اگر مجھے قتل کیا گیا	بھٹو بیتی
200/	راجندر اسرین	Pakistan - The Indian Factor	سیاست	100/	ایضاً	If I am Assassinated	ایضاً
15/-	مرتبہ ولائیت حسین حیدری	مشکل کشا	دعائیں	60/-	ایضاً	آخری بیان	ایضاً
15/-	ایضاً	سورۃ یسین	دعائیں	100/	جسٹس راجہ رحیم	عدلیہ کا بحران	ایضاً
30/-	جیلانی کامران	تنقید کا نیا پس منظر	ادب	100/	ایضاً	A judiciary in Crisis -- Trail of Zulfiqar Ali Bhutto	ایضاً
30/-	سید عابد علی عابد	بریشم عود	شاعری	200/	وکٹوریہ شفیلڈ	بھٹو مقدمہ اور سزا	ایضاً
50/-	ڈاکٹر سجاد رضوی	تہذیب و تخلیق	ادب	200/	ایضاً	Bhutto -- Trail & Execution	ایضاً
30/-	ظہیر کاشمیری	ادب کے مادی نظریے	ادب	60/-	مزنان	قیدی	ایضاً
50/-	ڈاکٹر وحید قریشی	کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ	ادب	165/	مرتبہ ایضاً	عالمی پنجابی کانفرنس	روداد
15/-	حبیب اللہ خان	تقسیم ہند	تاریخ	150/	حسین شاہد	گرتے پتے (تارک وطن پاکستانی کا)	سفر نامہ
5/-	انوار مزدکی	ماوزے تنگ	سوانح	100/	سحر خلیفہ	مٹی خواب اور خون (فلسطین)	ناول
10/-	ماوزے تنگ	ماوزے تنگ کی نظمیں	شاعری	50/-	محمد صفدر میر	آخر شب	ڈرامے
15/-	ترجمہ سید علی ناصر	ستاروں کی دنیا	سائنس	50/-	مولانا حسین احمد مدنی	تحریک ریشمی رومال	تاریخ
15/-	ایضاً	زمین کی سرگزشت	سائنس	100/	ڈاکٹر خیال امروہوی	نئی سوچ	مضامین
15/-	ایضاً	مستقبل کا انسان	سائنس	15/-	ایضاً	مزدک	سوانح
15/-	ایضاً	یہ ہے شمالی افریقہ	تاریخ	60/-	میخائیل گورباچوف	تشکیل جدید	انقلاب
30/-	بلقیس عابد علی	تیسری عورت	افسانے	35/-	ڈاکٹر بشیر حسن	پاکستان کے جعلی حکمران طبقے	تحقیق
30/-	رضیہ فصیح احمد	دو پاٹن کے بیچ	افسانے	60/-	پروفیسر سہیل محمود	ترقی کی حقیقت	تحقیق
15/-	شہاب دہلوی	جنگ نامہ	نظم	100/	ایضاً	The Sind Report	سندھ
25/-	نذر	نوائے خامہ	غزلیں	200/	ترجمہ ستار طاہر	مارشل لاء کا وائٹ پیپر	تحقیق
20/-	یزدانی ملک	رب ذوالجلال	دانش	50/-	ایضاً	زندہ بھٹو مردہ بھٹو	بھٹو بیتی
20/-	ترجمہ ابن انشاء	چہ دلاور است دزدے	افسانے	50/-	ایضاً	زیرو باور	ایضاً
10/-	ترجمہ سید عابد علی عابد	تعلیم کا عمل	سیمینار	50/-	سید امجد حسین	جملہ معترضہ	مزاح
50/-	نورالنسان اوج	حرف جاں	غزلیں	150/-	سیما پیروز	شام کی سرگوشی	افسانے
25/-	ایضاً	اوج غزل	غزلیں	75/-	راجہ انور	جھوٹے روپ کے درشن	خطوط
60/-	مسعود زاہدی	ولی خان کے حقائق کی حقیقت	تاریخ	50/-	ایضاً	مارکسی اخلاقیات	دانش